اوائل دور کے نوجوان کیا تھے۔ آج ہم کیا ہیں اور ہمیں کیا ہونا چاہیے!

ملاحظہ فرمایئے ایک چشم کشا اور انقلاب آفریں نوشتہ

کاش نوجوانوں کو معلوم ہوتا!

تالیف

مولانا محمد فیروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

نعمانی بک ڈپو

NafseIslam

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوجوان ہی دراصل کسی معاشرے کا مستقبل ہوتے ہیں وہ چاہیں تو اپنے حُسنِ عمل اور جذبۂ خیر وصلاح سے دنیا کو رشکِ فردوس بنادیں، اور چاہیں تو نمونۂ جہنم۔ ملاحظہ فرمائیں ایک چشم کشا اور اِنقلاب آفریں تحریر دل پذیر

کاش نوجوانوں کو معلوم ہوتا!

-: تالیف :-

محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

NafseIslam
Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

بِأبِي أنتَ وأمِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَیکَ أیُّهَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

کتاب : کاش نوجوانوں کو معلوم ہوتا!

تالیف : ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی.......................

پروفیسر: دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

ایڈیٹر: چراغِ اُردو، ماہانہ اُردو میگزین، ساؤتھ افریقہ

afrozqadri@gmail.com

NafseIslam
Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

تصویب : مفکر اسلام علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری- مدظلہ العالی-

تحریک : محبّ گرامی مولانا کمال احمد شمسی گھوسوی-حفظہُ اللہ ورعاہ-

کتابت : فہمی چریاکوٹی

صفحات : اڑتالیس (۴۸)

اشاعت : ۲۰۱۳ء - ۱۴۳۴ھ

قیمت : /روپے

تقسیم کار : کمال بک ڈپو، نزد جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئو، یوپی، انڈیا۔

o رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إنَّکَ أنْتَ السَّمِیْعُ العَلِیْمُ o

دو باتیں

الحمد للّٰہ ربِّ العٰلمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃٍ للعٰلمین، وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین ، أما بعد !

یہ کتابچہ دراصل مقدمہ ہے ہزار سے زائد صفحات پرمشتمل میری ایک اَدنیٰ کاوش ’انسائیکلو پیڈیا نوجوانوں کی حکایات‘ کا؛ جس میں سینکڑوں اُمہات الکتب اور مستند مصادرِ عربیہ کے گلشن ہاے رنگارنگ سے مجاہدینِ اِسلام کے بے داغ کارنامے، اَسلافِ کرام کے عنفوانِ شباب کے ایمان افروز واقعات، اور اَخلاق وکردار کو چمک عطا کرنے والی ہزاروں سبق آموز حکایات کے گل چیدہ چن کر قوم وملت کے نوجوانوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ساتھ ہی کچھ ایسے واقعات ومشاہدات بھی قصداً بیان کردیے گئے ہیں جو ہمیں آئینۂ حقیقت دکھاسکیں کہ ہمارے نوجوان کبھی کیا تھے!، آج کیا ہیں!!، اور اُنھیں کیا ہونا چاہیے!!!۔

جس وقت میں اِس کتاب کا مقدمہ لکھنے بیٹھا تو ایسا لگتا ہے کہ کتاب کی ضخامت دیکھ کر مقدمے کا حجم بھی بڑھتا چلا گیا، اور اِتنا بڑھا کہ الگ سے اُسے کتابی شکل دینے کی نوبت آپہنچی۔ چوں کہ ہمارا یہ عصرِ رَواں ضخیم کتابیں پڑھنے کا مزاج نہیں رکھتا - اِلا ماشاء اللہ - تو سوچا کہ بہت محنت سے لکھے گئے اِس مقدمے کو الگ سے کتابچے کے روپ میں شائع کردوں؛ تاکہ یہ جیب وخاطر پر بار بنے بغیر ہر نوجوان کے مطالعے کی میز تک بآسانی راہ پالے۔

چونکہ یہ محض ایک مقدمہ ہے؛ لہٰذا اِسے مقدمے ہی کی نیت سے پڑھیں، پوری کتاب پڑھنے کے خواہش مند حضرات زیرِ طبع ’نوجوانوں کی حکایات کا اِنسائیکلو پیڈیا‘ کا مطالعہ فرمائیں۔ خداوند قدوس ہمارے نوجوانوں کے اندر دین وملت کا درد پیدا فرمائے، اُن کے حال اَحوال بہتر کرے، اور اُن پر اپنی حمایت ونصرت کا شامیانہ تانے رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد افروز قادری چریاکوٹی

۹/مارچ ۲۰۱۲ء، بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا رب ! دلِ مسلم کو وہ زِندہ تمنا دے ☆ جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے ☆ دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

نوجوان ہی دراصل کسی قوم کا قیمتی اَثاثہ، نفع بخش سرمایہ اور تابناک مستقبل ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے حسن عمل اور جذبۂ خیر وصلاح سے دنیا کو رشکِ فردوس بنا دیں اور چاہیں تو نمونۂ جہنم۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کسی قوم کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لیے اُس کے سیم و جواہرات اور دیگر معدنیات کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا؛ بلکہ اُس کے نوجوان دیکھے جاتے ہیں کہ وہ کن کاموں میں مشغول ہیں۔ اگر وہ اَصحابِ تقویٰ و ورع ہوں، دین کے اَوامر ونواہی پر کماحقہ کاربند ہوں، عظیم مقاصد میں شب و روز بسر کرتے ہوں، اور فضل وکمال کے دامن سے وابستہ ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ قوم بڑی عظیم وجلیل قوم ہے، اور اس کی عظمت و رفعت کو دنیا کی کوئی طاقت کبھی چیلنج نہیں کرسکتی۔ ڈاکٹر اِقبال نے کیا خوب منظر کشی کی ہے۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری

لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو۔ نوجوان اَخلاق و کردار سے عاری ہوں، گھٹیا سوچ کے مالک ہوں، لایعنی کاموں میں جٹے ہوئے ہوں، رذیل اور اَخلاق سوز چیزوں پر اِس طرح ٹوٹے پڑتے ہوں جس طرح مکھیاں کوڑا کرکٹ پر پڑی غلاظت پر گرتی ہیں تو پھر یقین کرلینا چاہیے کہ اُس اُمت کا مستقبل تاریک ہے، اُس کی بنیادیں کھوکھلی ہوئی جاتی ہیں، پُرزے کمزور پڑ رہے ہیں، اور کسی وقت بھی اُس کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکی جاسکتی ہے۔ ایسے نوجوان دراصل ننگِ قوم وملت ہوتے ہیں، اُن کی وجہ سے اُمت

کے مُقدَّسات کی تحقیر ہوتی ہے، اُس کی عظمتیں گہنا جاتی ہیں، اوراُس کی تاریخ وثقافت کا چہرہ مسخ ہوکر رہ جاتا ہے۔

نوجوان بلاشبہہ قوموں کا مقدر ہیں وہ چاہیں تو درخشندہ مستقبل اور روشن اُمیدوں کے سورج اُجال دیں اور چاہیں تو اُن پر جہالت ورذالت کی کبھی نہ ختم ہونے والی شبِ تیرہ مسلط کردیں۔تاریخ کی پشت ایسی شہادتوں سے بوجھل ہے۔

آیئے میں آپ کو دکھاؤں کہ قرآن کریم نے خیر وتقویٰ کے حامل نوجوانوں کی حکایتِ پُرشوق اورداستانِ دعوت وعزیمت کتنے اچھوتے انداز میں بیان فرمائی ہے۔

یہ ہیں اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، جنھوں نے اپنی قوم سے داعیانہ خطاب کیا، خیر وشر کے نمایاں فرق کو سمجھایا، اورانھیں نہ صرف بت پرستی سے روکا؛ بلکہ اُن کے بتوں کو پاش پاش کرڈالا، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ بالکل عنفوانِ شباب میں تھے۔قرآن گواہی دیتا ہے :

قَالُوا سَمِعۡنَا فَتیً يَذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗ اِبۡرَاهِيۡمُ ٥ (سورۂ انبیاء:۲۱/۶۰)

(کچھ) لوگ بولے: ہم نے ایک نوجوان کا سنا ہے جواُن کا ذکر (اِنکاروتنقید سے) کرتا ہے، اسے اِبراہیم کہا جاتا ہے۔

یوں ہی آلِ فرعون کا وہ نوجوان بندہ جس کے دل میں اِیمان نے گھر کرلیا تھا، اور جسے حق کا اُجالا نصیب ہوگیا تھا، وہ ظلم وتعدی کی طویل شب کو برداشت نہ کرسکا، اور ایمان وعرفان کی نکھری ہوئی صبح دیکھنے کا شدت سے منتظر تھا سو وہ برسرعام آکر کہنے لگا۔اس جوان کی باتیں دراصل اتنی پیاری تھیں کہ قرآن نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا :

وَ قَالَ رَجُلٌ مُؤۡمِنٌ مِنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَكۡتُمُ إِيۡمَانَهٗ أ تَقۡتُلُوۡنَ رَجُلاً أَنۡ يَّقُوۡلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدۡ جَاءَ كُمۡ بِالۡبَيِّنَاتِ مِنۡ رَبِّكُمۡ ٥ (سورۂ غافر:۴۰/۲۸)

اور ملتِ فرعون میں سے ایک مردِ مومن نے کہا جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا: کیا تم ایک شخص کو قتل کرتے ہو (صرف) اس لیے کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے، اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔

یوں ہی 'اصحاب اُخدود' کا وہ نوخیز جوان جو ایمان کا جام حلق سے نیچے اُتار چکا تھا، اور جس کا نشہ اُس کے رگ و ریشے میں سما گیا تھا۔ عمائدین سلطنت نے ایمان کی شمع اُس کے دل سے بجھانے کے لیے کیا کیا تدبیریں نہ کیں؛ مگر سب ناکام رہیں، بالآخر نہایت جارحانہ طریقے پر اسے قتل کردیا گیا؛ مگر اللہ کی شان دیکھیں کہ اُدھر اس نوجوان کی جان نکلی اور اِدھر ساری قوم دائرۂ اِسلام میں داخل ہوگئی ☆۔

(☆) واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت عرصہ پہلے ملک شام میں ایک ظالم وجابر بادشاہ تھا جس کی سلطنت ایک جادوگر کے زورِ جادو سے قائم تھی۔ جب جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میری موت قریب آگئی ہے، کسی لڑکے کو میرے پاس بھیج دیا کرو جسے میں یہ ہنر سکھا جاؤں تاکہ میرے بعد تیرے ملک کو زوال نہ آئے۔

بادشاہ نے ایک نوخیز لڑکا متعین کردیا جو اس کے بعد جاکر جادو کی تعلیم پانے لگا۔ اس لڑکے کے راستہ میں دینِ مسیحی کا ایک راہب رہتا تھا، لڑکا اس کے پاس بھی بیٹھنے لگا۔ اس مقبولِ خدا راہب کے فیض صحبت سے لڑکے کا دل روشن ہوگیا۔ ایک دن راستہ میں ایک زبردست اژدہا ملا جس نے راستہ بند کر رکھا تھا، لڑکے نے یہ کہہ کر سانپ کو پتھر مارا کہ الٰہی اگر راہب کا دین سچا ہو تو اسے ہلاک کردے؛ چنانچہ وہ سانپ مرگیا، اس واقعہ کے باعث لڑکے کا بہت شہرہ ہوگیا اور پھر یہ لڑکا ایسا مقبول الدعا ہوا کہ جو بھی بیمار اس کے پاس آتا لڑکے کی دعا کی برکت سے صحت یاب ہوجاتا اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا۔ بادشاہ کا وزیر اندھا ہوگیا، پھر لڑکے کی دعا سے اچھا بھی ہوگیا اور مؤمن بھی۔

جب بادشاہ کے دربار میں یہ وزیر پہنچا تو بادشاہ نے صحت یابی کا سبب پوچھا۔ وہ بولا: مجھے میرے رب نے اچھا کردیا۔ بادشاہ نے کہا: میرے سوا تیرا رب کون ہے؟۔ اور تو یہ دین کہاں سے سیکھ آیا؟۔ اس نے لڑکے کا پتا دیا اور لڑکے کے ذریعہ راہب کا سراغ ملا۔

بادشاہ نے اس راہب اور وزیر کو تو فوراً ہی آرے سے چروادیا۔ پھر لڑکے کو اسلام چھوڑنے کی ترغیب دی؛ مگر وہ ایک نہ مانا اور اسلام کا دامن کسی طور اپنے ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوا۔

قرآن کریم کی سورۂ بروج دراصل اسی نوجوان کے نام خراج ہے :

وَ السَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُودِ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُودٍ
قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ o

برجوں والے آسمان کی قسم۔ اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جو (اس دن) حاضر ہوگا اس کی قسم اور جو کچھ حاضر کیا جائے گا اس کی قسم۔ خندقوں والے (لوگ) ہلاک کر دیے گئے۔ (یعنی) اس بھڑکتی آگ (والے) جو بڑے ایندھن سے (جلائی گئی) تھی۔ جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے۔

یوں ہی 'اصحاب القریہ' کا معاملہ تھا جن کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے پاس تین پیغمبر مبعوث فرمائے، جن کی اُن بدبختوں نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ انھیں قتل ہی کرڈالا؛ مگر اُن کا یہ عمل قوم کے اُس نوجوان کا دل چھلنی کرگیا جس کا دل نورِ ایمان سے منور ہو چکا تھا اور وہ جادۂ حق کا راہی بن چکا تھا؛ ابتداءً وہ اپنا ایمان چھپاتا رہا کہ جب یہ

...بقیہ: بادشاہ نے پولیس کے ہاتھوں اسے پہاڑ کی چوٹی پر بھیجوا کر اوپر سے گرانے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچ کر لڑکے نے دعا کی تو پہاڑ کانپ اُٹھا جس کی دہشت سے پولیس کا دستہ تو وہیں ہلاک ہوگیا؛ مگر لڑکا بالکل محفوظ رہا۔ پھر بادشاہ نے اسے دریا میں ڈبونے کا حکم جاری کیا۔ کارندے اسے لے کر جب وسط دریا میں پہنچے تو لڑکے کی دعا سے وہ وہیں آپ غرق ہوگئے اور لڑکا صحیح سلامت باہر چلا آیا۔

آخر کار اس لڑکے نے بادشاہ کو خود سکھایا کہ میں تیرے مارے نہ مروں گا۔ اگر مجھے مارنا ہے تو سب لوگوں کو جمع کرو، اور سب کے سامنے مجھے کھجور کی ٹہنی پر سولی دو اور 'بسم اللّٰہ رب الغلام' کہہ کر مجھے تیر مارو؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا، اس نے دایاں ہاتھ دائیں کنپٹی پر رکھا اور جان جان آفریں کے حوالے کردی۔ یہ نظارہ دیکھ کر تمام لوگ مومن ہوگئے؛ مگر بادشاہ غصے سے پاگل ہوا اُٹھا، اس نے خندقیں کھدوا کر اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو اسلام نہ چھوڑے اسے اس بھڑکتی ہوئی آگ میں بے دردی کے ساتھ ڈال دیا جائے۔ سارے لوگ یکے بعد دیگرے آگ میں پڑتے رہے۔ موت کو گلے لگا لیا مگر اپنا دین چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا وہ کچھ جھجکی تو شیرخوار بچہ بول اُٹھا: اماں! آپ نہ جھجکیں، آپ حق پر ہیں اور یہ (آگ) نار نہیں نور ہے۔ پھر اس آگ کا شعلہ ایسا بھڑکا جس نے بادشاہ سمیت سارے وزرا اور عمائدین سلطنت کو جلا ڈالا۔ (صحیح مسلم، تفسیر عزیزی، تفسیر خازن، خزائن العرفان بحوالہ نور القرآن:۹۷۴)

لوگ پیغمبروں کو نہیں بخشتے تو مجھ پر کب ترس کھائیں گے؛ مگر اس کی غیرتِ ایمانی اور خروشِ جوانی نے گوارہ نہ کیا کہ نائبانِ الٰہی تہِ تیغ کر دیے جائیں اور ہم چپکی سادھے بیٹھے رہیں یہ اُٹھ کھڑا ہوا، میدان میں نکل آیا، اور فلک شگاف انداز میں حق کا آوازہ بلند کیا☆ جسے قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے :

وَ جَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوا مَنْ لاَ يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ وَ مَا لِيَ لاَ أَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِي وَ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ (سورۂ یٰس:۳۶/۲۰تا۲۲)

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم پیغمبروں کی پیروی کرو۔ ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(☆) وہ نوجوان دراصل حضرت حبیب بن مری تھے، قوم کی بغاوت و سرکشی کو دیکھتے ہوئے وہ کسی غار میں جا کر عبادت گزیں ہو گئے تھے؛ مگر جب انھیں معلوم ہوا کہ قوم نے انھیں گھیر لیا ہے تو وہ گوشۂ عبادت چھوڑ کر بھاگتے ہوئے یہاں پہنچے اور وہی جملہ کہا جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ حبیب بن مری ٗ سکندر رومی کی اولاد میں سے تھے اور یہی وہ خوش بخت حبیب ہیں جن سے مدینہ منورہ آباد ہوا تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کسی سفر میں وہ اس سرزمین سے گزرے جو اس وقت میدانی تھی تو اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ مجھے اس جگہ سے رسولِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو آ رہی ہے، یقیناً یہ جگہ خاتم النبیین کے قیام کی ہے۔ اس وقت ان کے ساتھ بارہ ہزار آدمی تھے جن میں سے چار ہزار علما و حکما تھے۔

یہ ایمان افروز بات سن کر وہ پیغمبر رحمۃ للعالمین کے انتظار میں وہیں آباد ہو گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حبیب ہی کی اولاد سے تھے جنھیں تاجدارِ کائنات علیہ السلام کی خدمت وضیافت کی خصوصی سعادت سے حصہ ملا۔ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان وہی تھا جہاں حبیب نے اپنا خیمہ لگایا تھا۔ (نورالعرفان:۹۴۳)

کچھ یہی معاملہ 'اصحابِ کہف' کے نوجوانوں کا ہے جنھیں اپنے ایمان کے دیے کو بچانے کے لیے اُس معاشرے سے راہِ فرار اِختیار کرکے غار میں پناہ گزیں ہوجانا پڑا جہاں ہرسو کفروطغیان کی بادِ صرصر چل رہی تھی؛ تاکہ خلوت کی یکسوئی خلوصِ قلب کے ساتھ مالک ومولا کی بندگی کا موقع فراہم کرسکے۔ اُن جوانوں کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا اور صلے میں اُن پر کیا کیا اِنعاماتِ خداوندی ہوئے، ساری تفصیل قرآن حکیم نے (سورۂ کہف کے اندر آیت نمبر ۹ سے ۲۵ تک) محفوظ کررکھی ہے:

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَأَهُمۡ بِالۡحَقِّ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنَاهُمۡ هُدىً ، وَرَبَطۡنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمۡ اِذۡ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالۡأَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَ مِنۡ دُونِهِ اِلٰهاً لَّقَدۡ قُلۡنَا اِذاً شَطَطاً ۝ (کہف: ۱۸/۱۳تا۱۴)

(اب) ہم آپ کو اُن کا حال صحیح صحیح سناتے ہیں، بیشک وہ (چند) نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے لیے (نورِ) ہدایت میں اور اضافہ فرما دیا۔ اور ہم نے ان کے دلوں کو (اپنے ربط ونسبت سے) مضبوط و مستحکم فرما دیا، جب وہ (اپنے بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے: ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا ہرگز کسی (جھوٹے) معبود کی پرستش نہیں کریں گے (اگر ایسا کریں تو) اس وقت ہم ضرور حق سے ہٹی ہوئی بات کریں گے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب بات کہی تھی ؎

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

یوں ہی ہمارے آقا ومولا محمد مصطفیٰ - روحی فداہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی متدین،

رب کی طاعت میں پروان چڑھنے اور خشیت مولا رکھنے والے نوجوانوں کی بطورِ خاص حوصلہ اَفزائی اور اُن کی تعریف وستائش فرمایا کرتے تھے، اور اہم اُمور کی انجام دہی کے لیے نوجوانوں ہی کا انتخاب فرماتے تھے؛ کیوں کہ یہی وقت ہوتا ہے کچھ کر گزرنے کا، اور زندگی کے اِس پُر شباب موڑ پر جسمانی طاقت اور قوتِ ارادی اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ اب اگر اس عمر میں نوجوان کے روبرو کوئی عظیم مقصد اور معرکہ آرا منصوبہ ہو تو وہ اسے بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔

یہ دیکھیں ہجرتِ مدینہ کا موقع ہے، نفسا نفسی کا عالم ہے، کفار و مشرکین کے مظالم عروج پر ہیں، اُن کی دل دہلا دینے والی صعوبتیں نگاہوں کے سامنے ہیں۔ آج شب ہجرت ایک عظیم وخطیر ذمہ داری سونپی جانے والی ہے۔ قریش کے ستر (۷۰) کڑیل نوجوان دروازۂ نبوت کے باہر خون کے پیاسے کھڑے ہیں، ہر پل اِنتظار ہے کہ کب محمد عربی (ﷺ) باہر نکلیں اور اُن پر شیر ببر کی طرح ٹوٹ پڑیں۔

ایسے نازک موقع پر نگاہِ نبوت نے ایک ایسے جوانِ رعنا کا اِنتخاب کیا جسے دنیا مولا علی مرتضیٰ شیر خدا کے نام سے جانتی ہے۔ انھیں حکم فرمایا کہ آج بستر نبوت پر شب باش ہوجاؤ۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہجرتِ مبارکہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- (م ۴۰ھ) اُس رات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’خدا کی عزت کی قسم! اُس رات سے زیادہ چین کی نیند میں اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں سویا!‘۔

یوں ہی مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر مدینہ کے اندر دعوت وتبلیغ کی عظیم ذمہ داری نوجوان صحابیِ مُصعب بن عمیر (م ۳ھ) کے کاندھے پر رکھتے ہیں جو ابھی عمر کے بالکل اِبتدائی مرحلے میں ہیں؛ مگر ابن عمیر کی غیرت وشجاعت کو سلام جس نے نہایت خوش اُسلوبی سے پیغمبر کے سونپے ہوئے فرائض کو سرانجام دیا اور قریباً سارا مدینہ اس کی بے

تکان جدوجہد اور سرفروشانہ عزم کے سبب نورِ ایمان سے منور ہو گیا۔

یوں ہی جنگ اُحد کے تعلق سے جب کئی رائیں سامنے آئیں اور اختلاف ہوا کہ جنگ اندرونِ مدینہ لڑی جائے یا بیرونِ مدینہ، تو پیارے آقا رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نازک موقع پر جوانوں کے موقف کو شیوخ کی آراء پر مقدم رکھتے ہوئے مدینہ سے باہر دشمنوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

تاریخ اِسلام کے صفحات ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جو اس بات کے غماز ہیں کہ اَمن و جنگ ہر موقع رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ و السلام کی نگاہوں میں مشکل و پُرخطر کاموں کی انجام دہی اور بلند و بالا عہدہ و منصب پر سرفرازی کے وقت نوجوانوں کا انتخاب اوّلین ترجیح تھی۔ آپ موقع بہ موقع انھیں شہ دیتے ہوئے، اور اُن کی حوصلہ افزائی فرماتے نظر آتے ہیں۔

پھر آپ کے اُسوۂ حسنہ کی اتباع میں، آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور آپ کی سنت و شریعت کو فروغ دینے کے لیے اَسلافِ اُمت نے بھی نوجوانوں کو اہم اُمور سونپنے اور اعلیٰ مناصب پر فائز کرنے کا بےنظیر کارنامہ انجام دیا۔

آقاے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا سے رحلت کے بعد اُمت کو مختلف اَسباب کے باعث سب سے نازک معاملہ جمع قرآن کا درپیش ہوا۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۱۳ھ) کی نگاہِ انتخاب' پاک باز نوجوان صحابی حضرت زید بن ثابت (م۴۵ھ) پر پڑتی ہے۔ اُن کے اَخلاق و کردار اور عادات واَطوار کی ستائش کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے جمع قرآن کی خدمت اُن کے حوالے کردی، اور انھیں جمع و ترتیب کی مہم سر کرنے والے صحابہ کرام کا رئیس واَمیر نامزد فرمایا۔

نوجوانانِ ملت! ذرا سوچیں کہ ان جوانوں نے دین کی سرفرازی اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے کیسے کیسے کارنامے کر دکھائے ہیں۔ عہد رسالت مہد اور ماضی کے

درخشندہ اَدوار میں نوجوانوں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیے ہوئے وعدے کی لاج رکھ لی، اور فروغِ اسلام، تحفظ دین اور تبلیغ ودعوت کے حوالے سے وہ وہ کام کرڈالے ہیں جن کا آج ہم تصور بھی نہیں کرسکتے!۔

☆ یہ دیکھیں اُسامہ بن زید-رضی اللہ عنہ-(م۵۴ھ) ہیں جو ابھی عمر کی دوسری دہائی میں ہیں، کوئی بیس سال کی عمر ہے؛ مگر عالم یہ ہے کہ جنگ موتہ کی قیادت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے اکابر و اَجلہ صحابہ آپ کے لشکریوں میں شامل ہیں، اور زبانِ رسالت اُن کی قائدانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہونے کی سند فراہم کررہی ہے :

و إنه لخليق بالإمارة (أي يقدر عليها) (۱)

یعنی اُسامہ اِمارت وقیادت کا پورے طور پر مستحق ہے اور اس کے اندر قائدانہ صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں، (اور آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی)۔

☆ اس اُمت کے جلیل القدر فقیہ، قاضی یمن، اور حلال وحرام کے بارے میں ماہرانہ شان رکھنے والے عالم ربانی حضرت معاذ بن جبل-رضی اللہ تعالیٰ عنہ-(م۱۸ھ) عین جوانی کے عالم میں انتقال فرما گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر یہی کوئی ۳۳ سال تھی!۔

حضرت ابو ادریس خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوخیز جوان موجود ہے، اس کے دانت موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں، لوگ اس کے گرد ایسے ہی حلقہ بنائے بیٹھے ہیں جیسے چاند کے گرد ستارے اپنی کہکشائیں سجائے ہوتے ہیں۔ اگر کسی معاملے میں اختلاف ہوتا ہے تو سیدھا اس نوجوان

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۲۴۹/۹ حدیث:۱۵۵۴۲......فتح الباری ابن رجب:۲۷۳/۳......الحاوی الکبیر ماوردی:۱۹۱/۱۴......الروض الانف:۳۸۴/۴......سبل الہدیٰ والرشاد:۲۴۱/۱۲......سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی: ۳۷۲/۱......الطبقات الکبریٰ ابن سعد: ۲۴۹/۲...... تہذیب الکمال مزی: ۳۴۳/۲......الفصل فی الملل والاھواء والنحل:۴۷۷/۱......البدایۃ والنہایۃ:۱۹۲/۷۔

کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے قول ورائے کو آخری فیصلہ تصور کرتے ہیں۔ عنفوانِ شباب کی اس بے پایاں قابلیت پر مجھے بہت رشک آیا اور میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ صحابی رسول معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

جب کل ہوئی تو میں نے چاہا کہ آج کچھ پہلے مسجد چلتے ہیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جوان مجھ سے پہلے مسجد پہنچ آیا ہے اور نماز پڑھنے میں مشغول ہے۔

میں نے نماز ختم ہوجانے کا انتظار کیا اور پھر اس کے سامنے سے اس کے قریب آیا۔ سلام کرنے کے بعد میں نے کہا: قسم بخدا! مجھے تم سے اللہ واسطے کی محبت ہے۔

یہ سن کر اس نے کہا: آللہ (یعنی کیا واقعتہً محض اللہ کے لیے مجھ سے محبت ہے؟)

میں نے کہا: آللہ (ہاں! محض اللہ واسطے!)۔

پھر اس نے کہا: آللہ (یعنی کیا واقعتہً محض اللہ کے لیے مجھ سے محبت ہے؟)

میں نے کہا: آللہ (ہاں! محض اللہ واسطے!)۔

اس نے پھر کہا: آللہ (یعنی کیا واقعتہً محض اللہ کے لیے مجھ سے محبت ہے؟)

میں نے کہا: آللہ (ہاں! محض اللہ واسطے!)۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر اس جوان کا چہرہ کھل اُٹھا اور فرطِ محبت میں اس نے میری چادر کا کونہ پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا:

'مبارک ہو، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ- جل مجدہ- فرماتا ہے:

وجبت محبتي للمتحابين في، و المتجالسين في، و المتزاورين في، والمتباذلين في .(۱)

(۱) ریاض الصالحین: ۱/۴۱۷ حدیث: ۳۸۲...... ابن سعد: ۳/۵۸۷...... تاریخ مدینۃ دمشق: ۷/۲۵۸۔

یعنی میں اُن لوگوں کے ساتھ کچھ خاص محبت کا معاملہ کرتا ہوں جو محض میرے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، صرف میرے واسطے ایک جگہ آ بیٹھتے ہیں، صرف میری خاطر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، اور صرف میری رضا پانے کے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں'۔

☆ یہ دیکھیں امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۴۰ھ) ہیں جنھوں نے سات سال کی ننھی سی عمر میں اِسلام کو اپنے ناتواں کاندھے پر اُٹھایا، اور پھر اس کو سہارا دیتے رہے اور مرتے دم تک اس کا دست و بازو بنے رہے۔ جنگ کے میدانوں میں وہ سرفروشانہ لڑتے تھے، اور نامی گرامی کفار و مشرکین کو دعوتِ مبارزت دیا کرتے تھے۔

☆ حضرت عفرا انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو نوخیز بچے حضراتِ معوذ و معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس اُمت کے فرعون' ابوجہل کو للکارتے نظر آ رہے ہیں، اور ان دونوں نے اس کا تعاقب کرتے کرتے بالآخر اسے اپنی تلواروں سے واصل جہنم کر ہی کے دم لیا۔

☆ یہ دیکھیں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۵۵ھ) ہیں جن کا اپنا بیان ہے کہ جس وقت میں نے جنگ بدر لڑی اس وقت میرے چہرے پر ابھی ایک بال بھی نہ اُگا تھا۔

☆ یوں ہی کڑیل نوجوان قتیبہ بن مسلم باہلی (م ۹۶ھ) کو دیکھ لیں جنھوں نے خدا معلوم کتنے کافر قلعوں پر اِسلام کا پھریرا لہرایا، اور بالآخر اُن کی فتوحات کا سلسلہ ملک چین سے آگے بڑھتا ہوا آج کے روس تک جا پہنچا تھا۔ اور یہ سن کر آپ کو شاید خوشگوار حیرت ہو کہ اُس وقت اُن کی عمر کوئی تیس سال سے بھی کم تھی۔

☆ اور پھر محمد بن قاسم ثقفی (م ۹۸ھ) کا کیا کہنا جس نے محض سترہ سال کی کچی سی عمر میں سندھ و ہند کے سینے پر فتح اِسلام کا پرچم گاڑا، اور کفر کی تیرگی کو ایمان کی روشنی میں بدل دیا۔

☆ مرکز عیسائیت' اسپین میں نوجوان سپہ سالار طارق بن زیاد بربری (م ۱۰۲ھ) نے مٹھی بھر سرفروش مجاہدوں کی مدد سے لاکھوں کے لشکر کو شکست فاش کی مٹی چٹا دی۔

☆ عروہ بن زبیر اپنے باپ کی داستانِ شجاعت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر بن العوام (م ۳۶ھ) نے آٹھ سال کی عمر میں اِسلام کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا۔ جب وہ عمر کی بارہویں بہار میں داخل ہوئے تو شیطان نے یہ اَفواہ اُڑا دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردارانِ مکہ کے ہاتھوں گرفتار ہو چکے ہیں۔

یہ سن کر حضرت زبیر کو یارا ے صبر نہ رہا، بے قابو ہو گئے اور اپنے ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر نکل پڑے۔ جو بھی دیکھتا' دیکھتا رہ جاتا کہ یہ بچہ ننگی تلوار لیے کہاں دوڑا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی عالم میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: زبیر! تمہیں کیا ہو گیا ہے، اور کہاں کا اِرادہ ہے؟۔

تو انھوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اَفواہ کے بارے میں بتایا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں یہ ننگی تلوار اس لیے لے کر نکلا تھا کہ جس نے آپ کے ساتھ یہ حرکت کی ہوگی اس کا سر قلم کر کے ہی دم لوں گا!۔

چھوٹی سی عمر میں اُن کا یہ جذبۂ سرفروشانہ دیکھ کر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے لیے اور اُن کی تلوار کے لیے بطورِ خاص دعاے برکت فرمائی۔

☆ نوجوانانِ ملت! ذرا دیکھیں کہ یہ ابن عباس -رضی اللہ عنہما- (م ۶۸ھ) ہیں، دس سال کی عمر ہے؛ مگر ہر وقت سنت مصطفیٰ سیکھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی فکر میں مست ہیں۔ رات کی تنہائیوں میں اُٹھ کر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضو کے پانی کا اِہتمام کر رہے ہیں۔ دریاے رحمت جوش میں آیا، لب نبوت میں جنبش ہوئی اور اِرشاد ہوا:

اللّٰهم فقهه في الدين . (۱)

اے اللہ! اسے دین کا فقیہ بنا دے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۲۶۰ حدیث: ۱۴۳...... مسند احمد بن حنبل: ۵/۴۶۵ حدیث: ۲۴۳۹...... معجم کبیر طبرانی: ۹/۱۲۸ حدیث: ۱۰۴۶۷...... تہذیب الآثار طبری: ۵/۲۸۱ حدیث: ۲۱۵۴...... صحیح ابن حبان: ۲۹/۱۴۷ حدیث: ۷۱۸۰...... مسند ابو یعلی: ۱۲/۱۱۰ حدیث: ۵۷۲۲...... شعب الایمان: ۲۱/۴۶۱ حدیث: ۱۰۱۴۰۔

پھراس دعا کی برکات کچھ ایسی ظاہر ہوئیں کہ چھوٹی سی عمر ہی میں وہ حبر الامۃ اور ترجمانُ القرآن کے معتبر نام سے یاد کیے جانے لگے۔اور چھوٹے بڑے مسائل میں اکابر صحابہ اُن کے پاس رجوع کرنے لگے۔اور عالم یہ ہوگیا کہ جس مسئلہ پر ابن عباس اپنی رائے قائم کردیتے پھر کسی کو اس پر انگشت نمائی کا یارا نہ ہوتا۔

حضرت ابن عباس اپنے بچپن کا ایک واقعہ خود سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۲۴ھ) مجھے اپنے ساتھ لے کر شیوخِ بدر کی مجلسوں میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ایک مرتبہ اُن میں سے کسی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس نوجوان کو لے کر ہمارے پاس کیوں آتے ہیں، یہ کوئی بچوں کی محفل تو ہے نہیں، ہمارے پاس بھی اس کی مانند نوجوان بچے ہیں مگر ہم ایسی محفلوں میں انھیں لانا پسند نہیں کرتے؟۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ نوجوان اُن لوگوں میں سے ہے جنھیں تعلیم وتربیت کے خاص زیور سے آراستہ کیا جاتا ہے؛ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اُن بدری شیوخ کے ساتھ مجھے بھی اپنی بارگاہ میں طلب فرمایا۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں: میں سمجھتا ہوں کہ اس دن مجھے خاص اسی لیے بلایا تھا تاکہ میرا علمی مقام وتفوق اُن پر ظاہر کریں۔اب وہ اُن سے مخاطب ہوکر پوچھتے ہیں، آپ لوگوں کی اس آیت کے بارے میں کیا رائے ہے؟ :

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَأَيتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً ٥

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے۔اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں (کہ) وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہورہے ہیں، تو آپ (تشکراً) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور (تواضعاً) اس سے اِستغفار کریں، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا (اور مزید رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا) ہے۔

کچھ لوگوں نے کہا: اس آیت پاک کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس سے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ اللہ کی مدد آچکی ہے اور اس کی فتح ہم نے کھلی آنکھوں دیکھ لی ہے۔

بعضوں نے کہا کہ ہم اس تعلق سے کچھ بھی نہیں جانتے۔

جب کہ کچھ حضرات ایسے تھے جنھوں نے خاموش رہنے ہی میں بھلائی جانی۔

حضرت عمر اَب میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابن عباس! کیا تم بھی اس سلسلہ میں وہی رائے رکھتے ہو جو کہ اِن لوگوں کی ہے؟۔

میں نے کہا: نہیں، میں اُن سے اختلافِ رائے رکھتا ہوں۔

فرمایا: پھر تم اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟۔

میں نے کہا: یہ سورۃ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی قوی علامت ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں (اشارے میں) بتا دیا ہے۔ یہاں پہلی آیت میں 'والفتح' سے مراد فتح مکہ ہے۔ یعنی (اے حبیب!) جب مکہ فتح ہو جائے تو سمجھ لینا کہ تمہاری اَجل بالکل قریب آچکی ہے۔

یہ سن کر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے موقف کی تائید کرتے ہوئے فرمایا: (اے ابن عباس!) اس آیت کی بابت میری رائے بھی بالکل وہی ہے جو تمہاری ہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں خصوصی تعلیم دی تھی، جس پر وہ پوری زندگی کاربند رہے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے ساتھ ایک سواری پر اُن) کے پیچھے سوار تھا۔ آقا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

اے لڑکے! حقوقِ الٰہی کی حفاظت کر، اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا۔

(اپنے ہر کام میں) اَحکامِ الٰہیہ کا لحاظ رکھ، اللہ تیرے ساتھ ہوگا (اور تجھ کو دین و دنیا کی آفتوں سے محفوظ رکھے گا؛ یعنی ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت تیرے دل پر وارد ہوگی جس کے اَثر سے تیرے دل میں کبھی غم طاری نہ ہوگا)۔ اور جب تجھے کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ۔ اگر کوئی مدد درکار ہو تو اس کا سوال بھی اللہ سے کر۔ اور یہ یقین رکھ کہ اگر ساری دنیا کے لوگ اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کچھ نفع پہنچائیں تو وہ تجھ کو کچھ نفع نہ پہنچا سکیں گے، تجھ کو بس وہی کچھ نفع پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھے کچھ نقصان پہنچائیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے، ہاں! تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اُٹھ چکے ہیں (اور تا قیامت جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ لکھا جا چکا، بار بار لکھا نہیں جاتا) اور دفتر خشک ہو چکے۔

خدا سے مانگ، اگر مانگنا ہو اے اکبرؔ
یہی وہ دَر ہے کہ ذِلت نہیں سوال کے بعد

☆ نوجوانانِ ملت! یہ دیکھیں پانچویں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز -رحمۃ اللہ علیہ- (م ۱۰۱ھ) ہیں۔ اُن کی قوت وشوکت اور حق پر ثبات قدمی کا ایک سبب اُن کا اپنا خدا رسیدہ بیٹا عبداللہ بھی تھا جس نے خلعتِ خلافت قبول کرتے وقت اپنے باپ کو متوجہ کر کے کہا تھا:

باباجان! آج کا دن ایسا دن ہے جس کی بابت عرصہ محشر میں آپ سے بطورِ خاص سوال کیا جائے گا، اور پھر آپ کے ساتھ آپ کے اہل وعیال بھی اس کے جوابدہ ہوں گے؛ لہٰذا آپ بہرحال جادۂ حق پر گامزن رہیں۔ اگر ہمیں کھولتی ہوئی کڑھائیوں میں ڈال دیا جائے پھر بھی پدر بزرگوار! میری آپ سے یہی گزارش ہے کہ آپ حق کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز نے کہا تھا: 'تیرا شکر ہے میرے مالک ومولا کہ تو نے میری نسل سے ایک ایسا وجود پیدا فرمایا جو مجھے پند ونصیحت کرنے والا، اور حق کے معاملے میں تیرا خوف رکھنے والا ہے'۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جس وقت اس نوجوان نے یہ ایمان افروز جملے اپنے باپ کے سامنے پیش کیے اس وقت اس کی عمر صرف ۱۷ رسال تھی۔

پھر بنواُمیہ پر ظلم وستم ڈھا کر جو مال واَسباب اکٹھا کیے گئے تھے اس کی بابت بعض مفتیانِ کرام نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ یہ دراصل اُن کی بداعمالیوں کا خمیازہ ہے؛ اس لیے یہ انھیں واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؛ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تقویٰ و اِحتیاط اس بات کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا، اور انھوں نے باصرار کہا کہ یہ سارے مال اُن کے وارثین کو لوٹا دیے جانے چاہئیں؛ وقت چوں کہ قیلولہ کرنے کا تھا تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ سارا مال عصر کے بعد اُن کے حوالے کردوں گا۔

عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے جب یہ بات سنی تو آ کر کہنے لگے :

بابا جان! آپ کا فیصلہ بے شک حق ہے؛ مگر یہ بتائیں کہ کیا آپ عصر تک زندہ رہنے کی ضمانت دے سکتے ہیں!۔

یہ راست گو نوجوان عین جوانی کے عالم اِنتقال کرگیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر صرف ۱۹ رسال تھی؛ مگر اس نے اپنے باپ کے قدم کو مضبوط کردیا تھا اور دین کے معاملے میں اتنا متصلّب اور پختہ کرگیا تھا کہ حق کی پاسداری کے سلسلہ میں وہ کسی ملامت گو کو کبھی بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔

☆ یہ دیکھیں حضرت اِمام مالک بن اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۱۷۹ھ) ہیں، اپنے عہد شباب کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میری والدہ' عالیہ نے - جو اَصلاً طلحہ بن عبید اللہ کی کنیز تھیں- مجھے موٹا کھردرا کپڑا پہنا کر سر پر سفید عمامہ باندھا، اور میری

آستین سے دینار کی ایک تھیلی لٹکاتے ہوئے فرمایا: ’جاؤ مسجد میں چلے جاؤ، اور اُس وقت تک گھر واپس نہ آنا جب تک علم وفضل میں کمال حاصل نہ ہو جائے، اور لوگ تمھیں شیخ کہہ کر نہ پکارنے لگے‘۔

کہتے ہیں کہ میں علم کی طلب میں تن تنہا گھر سے نکل پڑا، اور مختلف حلقہ ہاے دروس سے خود کو وابستہ کر لیا، کبھی حضرت ربیعہ کے درس سے فیض یاب ہوتا، کبھی عطا ابن یسار کے حلقے سے مستفید ہوتا، اور کبھی نافع مولیٰ اِبن عمر کی مجلس سے اپنی تشنگی علم بجھاتا۔ اِسی بیچ محمد بن مسلم بن شہاب زہری ملک شام سے تشریف لے آئے، اب اُن سارے حلقاتِ دروس کے مشائخ تحصیل علم کے لیے مسجد میں اُن کے گرد آکر جمع ہو گئے، اور اُن سے حدیث رسول بیان کرنے کی درخواست پیش کی۔

امام مالک کہتے ہیں کہ اُن کی فرمائش پر انھوں نے اپنی سند کے ساتھ کوئی ساٹھ حدیثیں بیان فرمائیں۔ فرمانِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر اہل علم کی پیاس فزوں ہوتی جارہی تھی اور وہ مزید کا مطالبہ کر رہے تھے؛ مگر انھوں نے فرمایا: پہلے آپ لوگ بیان کردہ حدیثیں حفظ کر لیں، پھر مزید روایتیں پیش کر دی جائیں گی۔

یہ سن کر حضرت ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن معروف بہ ربیعہ الرائی نے عرض کی: اے امام زہری! اِس حلقۂ علم میں ایک ایسا نوجوان بھی موجود ہے جس نے آپ کی پیش کردہ ساری حدیثیں از اوّل تا آخر یاد کر لی ہیں۔

پوچھا: کون ہے وہ؟۔ عرض کیا: مالک بن انس بن ابی عامر یعنی انھوں نے میری طرف اِشارہ کیا۔ چنانچہ حضرت محمد بن شہاب زہری نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا: کیا واقعتاً یہ ساری حدیثیں تم نے حفظ کر لی ہیں؟، میں نے عرض کیا: ہاں! الحمدللہ۔ پھر اُن کے حکم پر میں نے وہ ساٹھ حدیثیں بالکل اُسی ترتیب سے انھیں سنا دیں۔ اُس دن سے اُن کی نگاہ میں میری قدر وقیمت بہت بڑھ گئی۔(۱)

---

(۱) مقالہ، دور الشباب، شیخ محمد الحسن ولد الددو: ۳۔

☆ نوجوانانِ ملت! یہ دیکھیں ایک اور جوانِ رعنا محمد بن اِدریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م۲۰۴ھ) ہیں۔ آپ مقدس سرزمین فلسطین کے مقامِ غزہ میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی سی عمر میں ماں انھیں لے کر یمن چلی گئیں، پھر وہاں سے مکہ معظّمہ پہنچیں، جہاں حضرت امام شافعی باقاعدہ حرم شریف کے اندر درس لینے کے لیے جایا کرتے تھے۔ اِبتدا میں معمول یہ تھا کہ درس کو کاپی پر اُتار لیتے تھے۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ سارا گھر کاغذوں سے بھر گیا۔

اَب انھوں نے اپنا دروازہ یہ تہیہ کر کے بند کرلیا کہ اُس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلوں گا جب تک یہ سارے مسودے زبانی یاد نہ کرلوں۔ چنانچہ انھوں نے تھوڑی ہی مدت میں وہ سارا کا سارا اَزبر کرلیا۔ پھر جب عمر کی کوئی دسویں بہار میں داخل ہوئے تو ماں نے قبیلہ بنی ہذیل کے پاس بھیج دیا، جہاں وہ اُن کے مشہور و معروف اَشعار یاد کرتے رہے،اور کوئی بیس ہزار شعر نقش ذہن کرلیا۔ پھر مکہ مکرمہ لوٹے اور سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے پہلے پوری مؤطا شریف یاد کرلی۔

اَب وہ امیر مکہ کا سفارشی خط لے کر مدینہ منورہ حضرت امام مالک کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں۔ امام مالک نے جب خط دیکھا تو جھلا کر کہنے لگے: تحصیل علم کی خاطر اَمیر مکہ کا سفارشی مکتوب چہ معنی دارد؟؛ چنانچہ اُن کا اِذن پا کر آپ اُن کی مجلس درسِ حدیث میں بیٹھ گئے، آپ اس وقت مؤطا شریف کا درس دے رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ جس وقت حلقۂ درس اِختتام پذیر ہوا۔ امام مالک نے مجھے اپنے قریب بلاکر فرمایا: عزیز بیٹے! میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تیرے دل میں اپنے نور کی خاص تجلّی رکھ دی ہے؛ لہٰذا چوبند رہنا، معصیت کی آندھی کہیں اُس چراغِ ربانی کو گل نہ کردے۔

جب مزید خلوت ہوئی تو میں نے امام مالک سے عرض کی کہ آپ کا مجموعۂ حدیث

موطا میں نے زبانی حفظ کر رکھا ہے۔ یہ سن کر اُن کی آنکھیں اَشکِ مسرت سے لبریز ہوگئیں، اور بے تابی میں فرمانے لگے: چلو مجھے اُس میں سے کچھ حدیثیں سناؤ۔ چنانچہ میں نے اس میں سے انھیں کوئی چالیس مجلسیں سنائیں۔(۱)

شوقِ علم کی مزید سیرابی کے لیے امام شافعی علیہ الرحمہ نے مصر و عراق کے شیوخ کے خوانِ علم و فضل سے بھی خوشہ چینی کی۔ یہ سن کر آپ کو شاید تعجب ہو اور ہونا بھی چاہیے کہ جس وقت امام شافعی مسند فقہ و اِفتا پر جلوہ افروز ہوئے، اُس وقت آپ کی عمر صرف اور صرف ۱۵/سال تھی۔

☆ یوں ہی مشہور مفسر و محدث علامہ اسماعیل صابونی (م ۴۴۹ھ) نے صرف ۹/سال کی عمر میں مجلس وعظ اور حلقہ فقہ و حدیث کو زینت بخشا تھا، اور وقت کے عظیم و جلیل ائمہ و شیوخ ان کی مجلسوں سے اِستفادہ کیا کرتے تھے۔

☆ حضرت ابراہیم بن ادہم (م ۱۶۲ھ) جوانی کے ابتدائی دنوں میں گھڑسواری کے بہت شوقین تھے، ان کی ساری توجہ کا مرکز یہی تھی؛ چنانچہ ایک دن ان کے سامنے سے کسی بوڑھے انسان کا گزر ہوا جس نے ان کے انہاک کو دیکھ کر کہا: اے ابراہیم! کیا تمہاری تخلیق کا مقصد یہی ہے؟ اور تمہیں اسی کا حکم دے کر بھیجا گیا ہے؟؟۔

اُس شیخ کی باتیں ابراہیم بن ادہم کے قلب و باطن تک سرایت کر گئیں۔ گھر لوٹے اور قسم کھالیا کہ اب ایسی زندگی بسر کروں گا جس کے لیے دراصل میں پیدا کیا گیا ہوں۔ اور مقصد تخلیق بڑا صاف ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَ الاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُونِ ٥ (سورۂ ذاریات: ۵۱/۵۶)

اس واقعے نے ابراہیم بن ادہم کو آگے چل کر ’ابراہیم بن ادہم‘ بنادیا۔ (۲)

(۱) مقالہ، دورالشباب، شیخ محمد الحسن ولد الددو: ۳۔

(۲) طبقات الصوفیہ سلمی: ۱/۲۷۔

☆ حضرت ربیع بن خثیم (م۹۰ھ) وقت کے عظیم عارف باللہ اور عالم ربانی ہوئے ہیں، جوانی کے عالم ہی میں اُن کے زہد و ورع کا چرچہ شہر شہر ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے حاسدین عنفوانِ شباب کی یہ شہرت بھلا کیسے ہضم کر پاتے! انھوں نے ایک منصوبہ تشکیل دیا اور ایک حسین و جمیل مغنیہ کو ایک ہزار دینار حوالے کر کے کہا کہ یہ رقم صرف اس بدلے ہے کہ ربیع بن خثیم جس طرح بھی ہو تمہیں ایک بوسہ دے دے۔

اس نے کہا: تم بوسے کی بات کرتے ہو، مجھے بدکاری میں مبتلا کرنے کا فن بھی آتا ہے۔ چنانچہ وہ موقع کی تاک میں لگی رہی، اور ایک دن تنہا پا کر اُن کی بارگاہ میں گھس آئی، اور عشوہ و ناز دکھانے لگی۔

حضرت ربیع اس وقت بالکل جوان تھے، ابھی کوئی ۳۰/سال کی عمر تھی؛ مگر خشیت الٰہی کا چراغ چوں کہ طاقِ جاں میں روشن تھا؛ اس لیے انھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے لات مارتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کی بندی! ذرا سوچو اگر ابھی ملک الموت آکر تمہاری روح قبض کر لیں تو تمہارا کیا بنے گا!۔

پھر ذرا دھیان کرو کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت تم پر کیا بیتے گی؟۔

پھر اس سے آگے بارگاہِ الٰہی میں پیشی کے وقت تمہاری مفلسی کا عالم کیا ہوگا؟۔

اور پھر اخیر میں جب تمہیں گھسیٹ کر آتش سوزاں کے حوالے کر دیا جائے گا اور تم کھولتی ہوئی پیپ میں ڈبکیاں مار رہی ہوگی تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟۔

یہ سن کر وہ چیخ پڑی، اور اللہ کی بارگاہ میں رجوع لاتے ہوئے وہ بھاگ کھڑی ہوئی، اور پھر اس نے ایسی سخت عبادت و ریاضت کی کہ عابدۂ کوفہ کے نام سے اسے یاد کیا جانے لگا۔

اِدھر جب حاسدوں کا منصوبہ ناکام ہوا اور اُدھر وہ مغنیہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور جل بھن کر کہنے لگے کہ ربیع خود تو بدلا نہیں اور اس نے اِس کو بھی بگاڑ کر رکھ دیا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ مشہور تابعی حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۸ھ) کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بڑی فصیح زبان دی تھی، ان کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی بیٹھا کرتے تھے اور ان کی دل پر اثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت تھی، شادی شدہ تھی، اللہ تعالی نے اسے غیر معمولی حسن و جمال سے نوازا تھا، یہ حسن بھی عجیب چیز ہے، بڑے بڑے بہادر پہلوان سورما اس کے ایک انداز غلط نگاہ کے وار سے ڈھیر ہو کر بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں۔ وہ بہادر جو کسی کے وار میں نہ آتا ہو، بسا اوقات حسن کی ایک بھولی سی نظر سے اس کے قلب و جگر کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔

یہ خاتون ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی، شوہر سے کہنے لگی: کوئی شخص ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو۔ شوہر نے کہا ہاں ایک شخص ہے۔

کہنے لگی: کون؟۔

کہا: عبید بن عمیر۔

اسے شرارت سوجھی کہنے لگی ۔ آپ مجھے اجازت دیں میں ابھی انھیں اسیر محبت بنائے دیتی ہوں۔

شوہر نے کہا: اجازت ہے۔

وہ عبید بن عمیر کے پاس آئی، کہا: مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے۔ عبید بن عمیر مسجد حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہو گئے تو اس نے اپنے چہرے سے حجاب سرکایا اور اس کا چاند جیسا چہرہ قیامت ڈھانے لگا۔

عبید نے اسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا: خدا کی بندی، اللہ سے ڈر!۔

کہنے لگی: میں آپ پر فریفتہ ہوگئی ہوں، آپ میرے متعلق غور کرلیں ۔ اِشارہ دعوتِ گناہ کی طرف تھا۔

عبید بن عمیر اس کے جھانسے میں آنے والے کب تھے!۔انھوں نے اس سے کہا: میں تجھ سے چند سوالات پوچھتا ہوں، اگر تونے صحیح اور درست جوابات دے دیے تو میں تیری دعوت پر غور کرسکتا ہوں،اس نے فوراً حامی بھرلی۔

فرمایا: موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آجائے اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

فرمایا: لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیے جارہے ہوں اور تجھے اپنے اعمال نامہ کے متعلق معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں ہاتھ میں، اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

فرمایا: اللہ کے سامنے اپنے اعمال کے سوال و جواب کے لیے جس وقت تو کھڑی ہو اس وقت اس گناہ میں تجھے رغبت ہوگی؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

اس کے بعد اسے مخاطب کرکے فرمایا: اللہ کی بندی! ذرا اللہ سے ڈر۔ اللہ نے تجھ پر بڑا انعام واحسان کیا ہے؛ لہٰذا اس کا شکر اَدا کر، اس کی نافرمانی نہ کر؛ چنانچہ وہ گھر لوٹی تو اس کے دل کی کائنات بدل چکی تھی۔ دنیوی لذتیں اور شوخیاں اب اسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں۔

شوہر نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگی: مرد اگر عبادت کرسکتے ہیں، تو ہم عورتیں کیوں نہیں

کرسکتیں، ہم کیوں پیچھے رہیں اوراس کے بعد نماز روزہ اور عبادت میں منہمک ہوکر ایک عظیم عابدہ اور پرہیزگار خاتون بن گئی۔

اس کا آزاد منش شوہر اس کی حالت دیکھ کر کہا کرتا تھا: مجھے عبید بن عمیر کے پاس شرارت کے لیے بیوی بھیجنے کا کس نے مشورہ دیا تھا۔ اس نے تو میری بیوی بگاڑ ہی کر رکھ دی۔ پہلے ہماری ہر رات 'شب زفاف تھی'، اب اس کی ہر شب 'شب عبادت بن گئی ہے۔ اور وہ راتوں کو عبادت میں مشغول ہوکر راہبہ بن چکی ہے۔(۱)

☆ یہ دیکھیں سفیانِ ثوری رضی اللہ عنہ (م ۱۶۱ھ) ہیں جنھوں نے اپنے ذاتی شوق ولگن اورعزمِ راسخ کے باعث عنفوانِ شباب بلکہ عالم طفولیت ہی میں شہرتِ عامہ اور مقبولیت تامہ حاصل کرلی تھی؛ حتیٰ کہ حضرت مبارک بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے وقت کے عظیم امام اور محدث حضرت عاصم بن ابی النجود کو سفیان بن ثوری کے حلقۂ علم وفضل سے اکتسابِ فیض ونور کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام عاصم خود فرماتے ہیں :

أتيتنا يا سفيان صغيراً و أتيناك كبيرا .

یعنی اے سفیان! تم بچپن میں (تحصیل علم کے لیے) ہمارے پاس آیا کرتے تھے، اور اب تم بڑے ہوکر علم وکمال کی ان رفعتوں پر جا پہنچے ہو کہ (علم کی گتھیاں سلجھانے کے لیے) ہمیں تمہارے پاس آنا پڑ رہا ہے۔

☆ یہ دیکھیں نوجوان عارف، زہدوورع، تقویٰ وطہارت اور فقہ وحدیث کی دنیا کا ایک معتبر نام حافظ ابوزرعہ (م ۲۲۴ھ) ہے۔ خود اُن کے عہد کے لوگ ان کے فضل وکمال کے معترف تھے اور معاصرین پر علمی تفوق کے باعث ہر معاملے میں انھیں مقدم رکھتے تھے۔

عالم یہ تھا کہ علم وحکمت کی جو بھی چیز ابوزرعہ کے کانوں میں پڑتی، ان کے حافظے کا حصہ بن جاتی تھی۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ مجھے چھ لاکھ حدیثیں ایسے اَزبر ہیں جیسے لوگوں کو سورۂ 'قل ہو اللہ شریف' یاد ہوا کرتی ہے۔

(۱) ذمّ الهوی، ابن جوزی: ۲۶۵/۱ تا ۲۶۶۔

ان کے تقویٰ و اِحتیاط کا کچھ اندازہ اس سے ہوتا ہے، وہ خود فرماتے ہیں کہ عین جوانی کے عالم میں جب میں بغداد کے بازاروں سے گزرتا، اور کوٹھوں سے پیشہ ور مغنّیات کی آوازیں آتیں تو میں اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیا کرتا تھا کہ کہیں ان کے باعث دل کی دنیا میں کوئی ہیجان نہ پیدا ہو جائے، اور شوقِ علم کا چراغ کہیں مدھم نہ پڑ جائے۔

☆ یہ ہیں گلشن تاریخ اسلام کے گل سر سبد امام بخاری علیہ الرحمہ (م ۲۵۶ھ) جن کا عالم یہ ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں چھوٹی سی عمر میں محدث داخلی کے پاس جانے لگا۔ ایک دن وہ سندِ حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے : سفیان عن أبی الزبیر عن إبراهيم .

میں نے ان سے کہا: حضرت! ابو زبیر نے تو ابراہیم سے روایت کی ہی نہیں!۔ انھوں نے مجھے جھڑکا۔ میں نے اصل کی طرف رجوع کرنے کے لیے اُن سے کہا۔ گھر میں جا کر جب اصل دیکھ آئے تو کہنے لگے: لڑکے! پھر ابراہیم سے روایت کون کر رہا ہے؟۔

میں نے کہا: زبیر بن عدی۔ تو مجھ سے قلم لے کر اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ امام بخاری سے جب پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟۔ فرمانے لگے: یہی کوئی گیارہ سال۔(۱)

گیارہ سال کے اس نوخیز بچے کو دیکھیے اور امام داخلی جیسے عظیم محدث کی سند میں تسامح پر بھری مجلس میں تنبیہ کو دیکھئے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قدرت آنے والے وقت میں اس بچے سے حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتنی عظیم خدمت لینا چاہتی تھی!۔

(۱) تاریخ بغداد: ۲/۷۔

ابھی عمر کا اُٹھارہواں سال تھا کہ صحابہ عظام اور تابعین کرام کے اقوال پر مشتمل ایک کتاب 'قضایا الصحابہ والتابعین' کے نام سے تصنیف کی۔ اور اُسی عمر میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'التاریخ الکبیر' بھی لکھی۔ روضۂ اطہر کے پاس، مدینہ طیبہ کی پرنور فضاؤں اور حسین چاندنی راتوں میں لکھی گئی اس مبارک کتاب کے بارے میں خطیب بغدادی نے سعید بن العاص کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے کہ 'اگر کوئی شخص چاہے تیس ہزار حدیثیں ہی کیوں نہ لکھ دے؛ تاہم وہ بخاری کی 'تاریخ کبیر' سے مستغنی نہیں ہوسکتا!۔(۱)

حضرت سلیم بن مجاہد ایک دن مشہور محدث محمد بن سلام بے کندی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بے کندی فرمانے لگے: اگر کچھ دیر قبل آتے تو ستر ہزار حدیثیں حفظ کرنے والا نوجوان دیکھ لیتے!۔

سلیم بن مجاہد یہ سن کر اس کی تلاش میں نکلے، ملاقات کرکے پوچھا: ستر ہزار احادیث کے حفظ کا آپ ہی کو دعویٰ ہے؟۔

امام بخاری کہنے لگے: جی ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس صحابی اور تابعی کی حدیث آپ کو سناؤں گا ان تمام کی ولادت، وفات اور مساکن کا بھی علم رکھتا ہوں۔(۲)

پھر ایک وقت آیا کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث حفظ ہیں۔(۳)

حضرت یوسف بن مروزی کہتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا، کسی نے اعلان کیا کہ اسماعیل بخاری آئے ہیں، ان کی طلب میں نکلو۔ لوگ نکل پڑے، میں بھی ساتھ ہولیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ عقب ستون میں مصروفِ نماز ایک جوان شخص جس کی داڑھی نے ابھی سفیدی کو اجازت نہیں دی، یہ تھے بخاری!۔

---

(۱) تاریخ بغداد:۲/۷۔ (۲) تہذیب الکمال:۲۴/۴۶۔

(۳) سیر اعلام النبلاء:۱۲/۴۱۵......تہذیب الاسماء واللغات:۱/۶۸۔

جوں ہی نماز سے فارغ ہوئے، لوگوں نے مجلس حدیث منعقد کرنے کا مطالبہ کیا۔ امام اِنکار کیسے کرتے! حدیث کی مجلسوں سے ہی تو ان کی زندگی کا چمن آباد تھا۔ محدثین، فقہا اور حفاظ کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا، ابھی اِملا شروع نہیں کیا کہ مجمع کو مخاطب کر کے فرمانے لگے: میں ایک نوعمر انسان ہوں، آپ لوگوں نے مجھ سے اِملاے حدیث کا مطالبہ کیا تو اب مناسب یہ ہے کہ میں آپ کو ایسی احادیث سناؤں جو آپ کے پاس پہلے سے نہ ہوں؛ تاکہ آپ سب مستفید ہوسکیں۔

پھر اِملا یوں شروع کرایا: **حدثنا عبد اللّٰه بن عثمان بلديكم، قال : ثنا ابي عن شعبة عن منصور عن سالم بن ابي الجعد عن انس ان أعرابيا جاء الى النبي فقال: يارسول اللّٰه! الرجل يحب القوم.......الخ . سند** اور حدیث سنانے کے بعد فرمانے لگے: تمہارے پاس یہ حدیث ہے تو سہی؛ لیکن منصور کے طریق سے نہیں۔

اس طرح اِملا کراتے رہے اور ہر حدیث کے بعد یہ فرماتے رہے کہ یہ حدیث تمہارے پاس فلاں راوی کے طریق سے ہے، میرے بیان کردہ راوی کے طریق سے نہیں۔ مجلس برخواست ہوئی تو اہل مجلس حیران و ششدر تھے!۔(۱)

ہانی بن نضر کہتے ہیں کہ ہم شام میں محمد بن یوسف فریابی کے پاس تھے، جوان تھے جوانوں کی طرح مزاح و مذاق رہتا؛ لیکن بخاری صرف علم ہی پر چھائے رہتے، ہمارے ساتھ شریک نہ ہوتے تھے۔(۲)

یہ آسمانِ علم حدیث کے بدرِ کامل کی اس وقت کی چند جھلکیاں ہیں جس کے ظہور کی ابھی اِبتدا تھی جس قمر کی مرحلہ ہلال میں ضیاپاشیوں کا یہ عالم ہو ماہِ تاباں میں اس کے جلوؤں کا عالم کیا ہوگا!۔

---

(۱) تاریخ بغداد:۲/۱۵تا۱۶۔ (۲) سیر اعلام النبلاء:۱۲/۴۰۵۔

عزیزانِ گرامی قدر! نوجوان ایسے ہوا کرتے ہیں،نوجوانوں کی تربیت ایسے ہوا کرتی ہیں،تب جا کروہ شوکت اِسلامی کا باعث اورنمونہ تقلید بنتے ہیں اوررفعت وکمال کی ساری بلندیاں اُن کے آگے بونی پڑجاتی ہیں۔کسی شاعرنے کتنی پیاری بات کہی ہے ۔

ذهب الذين نحبهم ☆ فعليك يا دنيا السلام

لا تذكري العيش عندي ☆ فالعيش بعدهم حرام

إني رضيع وصالهم ☆ و الطفل يؤلمه الفطام

یعنی ہائے! وہ لوگ چل بسے جن کے دم قدم سے دل کی دنیا آباد تھی اورجن کی محبتوں کا دیا ہماری زندگیوں میں فروزاں تھا۔اے دنیا! اب (تجھ میں بچا ہی کیا ہے!) سو تجھے آخری سلام۔

خبردار! اُن کے چلے جانے کے بعد اب میرے سامنے زندگی کی باتیں نہ کرنا؛ کیوں کہ زندگی میں اب رکھا ہی کیا ہے،ان کے بعد تو زندگی جیسے اَجیرن ہوکر رہ گئی ہے!۔

میں ان کی ملاقات کا شیدائی ہوں،ان کے فراق نے مجھ پر وہ قیامت ڈھائی ہے جیسے دودھ چھوڑنے کا وقت بچوں کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا!۔

حضرت اِمام ماوردی علیہ الرحمہ نے نوجوانوں کونصیحت کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا تھا :

اقبل علیٰ صواتک الخمس ☆ کم مصبح وعساه لا يمسی

واستقبل اليوم الجديد بتوبة ☆ تمحو ذنوب صحيفة الامس

فليفعلن بوجهک الغض البلی ☆ فعلی الظلام بصورة الشمس

یعنی پوری مستعدی کے ساتھ پانچوں نمازیں اَدا کرنے میں جٹ جاؤ؛ دیکھو

نا کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کی زندگی میں صبح کی پو تو پھوٹی؛ مگر انھیں شام کی شفق دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ توبہ کی برکات کے ساتھ ہر نئے دن کا اِستقبال کرو؛ تمہارا یہ عمل گزشتہ کل کے گناہوں کا کفارہ بن جایا کرے گا۔ کسی گھمنڈ میں نہ رہنا تمہارے چہرے کی یہ تازگی بہت جلد مرجھا جائے گی جس طرح اندھیروں کا حملہ سورج کی روشنی کو مات دے دیتا ہے۔

یعنی صبح کا اُٹھتا ہوا جوان سورج کتنا شفاف اور نور خیز ہوتا ہے؛ لیکن ڈھلتے وقت اس کی کیفیت کتنی قابل ترس ہوتی ہے کہ اس کی اپنی شعائیں بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ یہی حال انسانی چہرے بشرے کا بھی ہے کہ چڑھتی جوانی میں وہ تروتازگی سے بھرپور ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ درازیِ عمر کی شکل میں اس کے اندر تغیر و بدلاؤ آنا شروع ہوجاتا ہے، اور پھر موت آکر اسے ہمیشہ کے لیے بے رنگ و نور کردیتی ہے۔

اس لیے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس بے کراں طاقت وقوت کا بہترین استعمال کریں اس سے پہلے کہ اس میں ضعف وناتوانی کی جھریاں پڑنی شروع ہوجائیں۔ اور اس کا بہتر اِستعمال اُسی وقت ممکن ہے جب اِنسان کے ذہن میں یہ حقیقت راسخ ہوجائے کہ وہ یوں ہی پیدا نہیں کردیا گیا اور اُسے بلا پوچھ گچھ نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اور نہ وہ محض ایک مہمل وعبث نقش تخلیق ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے دو اَعلیٰ واَدنیٰ قسم کی مخلوق کے درمیان پیدا فرمایا ہے۔

مخلوقِ اعلیٰ تو فرشتے ہوئے کہ انھیں عبادات کا مکلّف کیا گیا ہے؛ لیکن شہوات سے بالکل پاک رکھا گیا ہے۔ اور مخلوقِ ادنیٰ حیوانِ بہائم ہیں کہ انھیں عبادات کی تکلیف سے تو آزاد رکھا گیا ہے تاہم شہوت کا طنطنہ اُن میں بھی ہوتا ہے۔ اور اللہ جل مجدہ نے انسان کو اِن دونوں کے وسط میں رکھا ہے کہ اُسے عبادات کا مکلّف بھی کیا اور شہوت کی چنگاری بھی اس میں رکھ دی۔

اَب اگر حضرتِ انسان عبادات کی اَدائیگی میں چاک چوبند ہو اور شہوات کے پیچھے مارا مارا نہ پھرے تو اس کی یہ صفت مخلوقِ اعلیٰ یعنی فرشتوں سے ملا دیتی ہے؛ لیکن اگر وہ عبادات کی تکلیف سے آزاد ہو کر شہوات کا زرخرید غلام بن جائے تو پھر وہ مخلوقِ اَدنیٰ یعنی بہائم سے جاملتا ہے۔اس مفہوم کو قرآن نے یوں تعبیر کیا ہے: اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (فرقان:۴۴/۲۵)

ترجمہ: وہ تو چوپایوں کی مانند (ہو چکے) ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر گمراہ ہیں۔

بلاشبہ نوجوانی ہر اِنسان کی زندگی کی ایک درخشاں حقیقت، اور بے بدل وعدیم المثال باب ہے؛ بلکہ اسے ایک ایسا ضوفشاں دور کہنا چاہیے کہ جو اپنی کم طوالت کے باوجود انسان کی پوری زندگی پر طویل المیعاد اور دائمی اَثرات مرتب کر دیتا ہے۔

ایک نوجوان ہمیشہ دوراہے پر ہوتا ہے۔دو متضاد قوتیں اُسے کھینچتی ہیں۔ایک طرف تو اُس کا اَخلاقی اور الٰہی وجدان ہے جو اُسے نیکیوں کی طرف ترغیب دلاتا ہے، جب کہ دوسری طرف نفسانی غریزے، نفس اَمارہ اور شیطانی وسوسے اُسے خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کی دعوت دیتے ہیں۔عقل وشہوت، نیکی وفساد، اور پاکی وآلودگی کی اس جنگ اور کشمکش میں دراصل وہی نوجوان کامیاب ہوسکتا ہے جو اِیمان اور تقویٰ کے اَسلحے سے لیس ہو۔

یہی تقویٰ تھا کہ جس کے بل بوتے پر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عزم صمیم نے اِلٰہی امتحان میں سربلندی حاصل کی تھی اور پھر کلاہِ افتخار وعظمت سے سرفراز کیے گئے تھے۔قرآن کریم حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کی کلید دو اہم چیزوں کو قرار دیتا ہے: ایک تقویٰ اور دوسرا صبر۔اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (یوسف:۹۰)

جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور صبر (واِستقامت) سے کام لے تو اللہ تعالیٰ نیک اعمال بجالانے والوں کے اَجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

مرحلہ جوانی اسی لیے سب سے نازک اور پُر خطر تصور کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ بچپن اور بڑھاپا دو ناتوانیوں کے درمیان قوت کا ایک مرحلہ ہوتا ہے اور یہی عمر کا سب سے بہتر ، اہم اور کارآمد دور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرصۂ محشر میں جوانی کی بابت بطورِ خاص باز پرس ہوگی: وَ عَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ أَبْلَاهُ !۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سات لوگ ایسے ہوں گے جنھیں اللہ تعالیٰ خاص اپنے سایۂ کرم میں رکھے گا اور اس دن اللہ کے سایۂ عظمت کے سوا دور دور تک کہیں کسی اور سائے کا نام ونشان بھی نہ ہوگا :

(۱) امام عادل (۲) اللہ کی عبادت میں پروان چڑھنے والا نوجوان (۳) وہ شخص جس کا دل مسجدوں کے ساتھ معلق رہتا ہے (۴) ایسے دو شخص جو اللہ واسطے کی محبت رکھتے ہوں، اور اسی کی خاطر ملتے بچھڑتے ہوں (۵) ایک وہ شخص جسے منصب وجمال کی پیکر کوئی عورت (برائی کے لیے) بلائے تو وہ کہہ دے: ’میں اللہ سے ڈرتا ہوں‘ (۶) ایک وہ شخص جس نے اس طرح خفیہ انداز سے صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی (۷) اور ایک وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں (آنسوؤں سے) بھر آئیں۔

نوجوانانِ ملت! کبھی آپ نے اس حدیث مبارک پر غور وفکر کرنے کی زحمت فرمائی؟، بات اُس دن کی ہو رہی ہے جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا...... سورج سروں پر آچکا ہوگا...... اِزدحام کے باعث سانسیں گھٹ رہی ہوں گی...... حضرت آدم سے لے کر اِس دنیا کے آخری انسان تک سب کے سب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے...... جہنم بھڑک بھڑک کر لپٹیں مار رہی ہوگی...... ایسے دل دہلا دینے والے عالم میں ندا دی جائے گی مذکورہ سات لوگ کہاں ہیں؟ آگے بڑھیں؛ تا کہ اللہ کا سایۂ کرم انھیں اپنے

اَمان میں لے لے۔ جوانو! اللہ کی عزت کی قسم! ذرا سوچو تو سہی کہ اس سے بڑھ کر سعادت وکرامت ایک انسان کے لیے اور کیا ہوگی!۔

نوجوانانِ ملت! ذرا سوچیں کہ آج اللہ کی یاد میں رات گئے بستر سے اُٹھ کر چند لمحوں کے لیے مصلیٰ پر آجانا ظالم نفس نے ہمارے لیے کتنا بوجھ بنادیا ہے؛ مگر ذرا چشم تصور وا کرکے دیکھیں کہ وہ کیا ساں ہوتا ہوگا جب ہر شب تہائی رات گئے خود مالک الملک جل مجدہ' آسمانِ دنیا پر نور گستر اور تجلی کناں ہوتا ہے☆۔ وہ ہماری تقدیر بدلنے آتا ہے...... ہماری بگڑی بنانے آتا ہے...... ہمارے کرب ودُکھ غلط کرنے آتا ہے...... اور صداؤں پر صدائیں لگاتا رہتا ہے کہ محبت الٰہی کے دعویدار کہاں ہیں؟...... رِزق کے طلب گار کہاں ہیں؟؟...... اقبالِ جرم کرنے والے خطا کار کہاں ہیں؟؟؟........ اپنی خواب گاہوں سے اُٹھیں، اپنی جبینوں کو لذتِ سجود سے آشنا کریں، اپنے لبوں کو وا کریں...... اپنی حاجتیں تو رکھیں...... اپنا دکھڑا تو سنائیں؛ رحمتِ الٰہی جھک کر بغل گیر نہ ہوئی تو کہنا!...... اِجابت نے بڑھ کر گلے سے نہ لگالیا تو کہنا!!۔

اس طرح تادم سحر اُس کا اَبرِ عطا وکرم بندوں کی کشتِ ویراں پر برسنے کے لیے اور انھیں آباد وشاداب کرنے کے لیے مچلتا رہتا ہے؛ مگر یارو! یہ کیا بے رخی ہے، کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذاتِ کبریا کی تجلی بے نیاز ہونے کے باوجود تمہاری دہلیز تک پہنچ آتی ہے بلکہ تمہاری شہ رگِ حیات سے بھی قریب تر ہوجاتی ہے اور دعویٰ محبت رکھنے والے چادرِ غفلت تانے سو رہے ہوتے ہیں!...... محبوب تو جاگتا رہتا ہے اور تم آنکھ کٹوری میں نیند گھولے فرشِ اطلس وکمخواب پر پڑے رہتے ہو...... خدارا محبت کا کچھ تو بھرم رکھو...... یہ محبّ ہونا تو نہ ہوا!...... کیا شانِ عبودیت اور نازِ بندگی یہی ہوتی ہے!!۔

☆ **حاشیہ**: جب کہ روایتوں میں آتا ہے کہ شب براءت اور شب قدر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ غروبِ آفتاب کے فوراً بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے۔ اور اپنی مخلوق پر نظر رحمت فرماتے ہوئے چند اَفراد کے سوا سب کی مغفرت فرمادیتا ہے۔ تفصیل کے لیے دینی کتب دیکھیں۔ -چریاکوٹی-

میرے دوستو! ایسا ہرگز نہ کرو......اُٹھو اور نفس کا تمرد توڑ ڈالو......نیم شبی کی خلوتوں میں محبوب سے محوِ رازِ و نیاز ہونا سیکھو......اس کے نام کی مالائیں جپو......اور اپنی بے تاب جبینوں سے اُس کی بارگاہ میں سجدۂ شکر کا خراج پیش کرو......پھر دیکھو فضل وکمال کے کیسے کیسے درتم پر وا ہوتے ہیں......تمہارے درد وُکھ کی گھٹا کیسے آن کی آن میں صاف ہو جاتی ہے......اور تمہاری کرب آثار زندگی کیسے گہوارۂ امن وقرار بن جاتی ہے۔

میرے عزیزو! اس بات کو پلے باندھ لو کہ اگر تم دارین کی سعادتوں سے بہرہ وری کے آرزومند ہو تو تمہیں رات کے گہرے سکوت میں اُٹھ کر اَپنے رب کو منانا ہوگا...... کاش! تمہاری جوانیاں اللہ کے حضور دست بستہ کھڑی ہونے کی عادی ہو جاتیں...... کاش! تمہارے دل سراپا ناز و نیاز بن جاتے......اور اے کاش! تمہاری راتیں گریہ وبکا کے ساتھ محبوبِ حقیقی کو منانے میں بیت پاتیں!۔

کتنا اَچھا ہوتا اگر اُمت مسلمہ کا خزاں رسیدہ چمن پھر بہار آشنا ہو جاتا......عشق رسول کی ہر سو ہوائیں چلنے لگتیں...... تعلق بالرسول پختہ ہو جاتا...... تعلق باللہ کی مستیاں لوٹ آتیں......ذکرِ الٰہی کی حلاوتیں عود کر آتیں......جبینیں پھر سجودِ نیاز کی لذتوں سے صحیح معنوں میں آشنا ہو جاتیں ...... چشمانِ طلب پھر اَشک ہائے عشق کی تپش سے بہرہ ور ہو جاتیں......آنکھوں کے سوکھے تالاب محبت رسول کے سیلاب سے پھر بھر جاتے......دل کی اُجڑی وَادِیاں عشق رسول کی پروائیوں سے پھر لہلہا اُٹھتیں......اور روح کے ویران صحرا پوری تب وتاب کے ساتھ سرسبز وشاداب ہو اُٹھتے۔

دوستو! آج ضرورت صرف اور صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنا اِحرام ہستی گناہوں کی آلودگیوں سے صاف وشفاف کرلیں خصوصاً اَپنا جہانِ دل ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کرلیں؛ تا کہ اُن میں عالم بالا کے اَنوار اُتر سکیں، اُن میں تسلیم و رضا کے لالہ وگل کھل سکیں، اُن میں دنیا نہیں دنیا کا خالق و مالک اپنی تجلی اُتارے، اور وہ جانِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکن وکاشانہ بن سکیں۔

حضرت حفصہ بنت سیرین (م ۱۱۰ھ قریباً) جوانوں کو عہد شباب سے خوب خوب فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دیا کرتی تھیں۔اس ضمن میں ایک بار انھوں نے فرمایا :

یا معشر الشباب! خذوا من انفسکم و أنتم شباب، فإني ما رأيت العمل إلا في الشباب . (۱)

یعنی اے جوانو! جوانی کے زمانے میں اپنی جانوں سے جتنا فائدہ حاصل کرسکتے ہو کرلو؛ کیوں کہ میں نے جوانی کے عمل ایسا (بہترین) عمل کسی اور زمانے میں نہیں دیکھا!۔

اسلام کی پوری تاریخ ایسے تابندہ واقعات اور زرّیں فرمودات سے بھری پڑی ہے۔ جو قومیں بھی شوکت و وقار اور مجد وشرف کی زندگی جینا چاہتی ہیں وہ عظیم انسانوں کے نقوشِ حیات کو مشعل راہ بناتی ہیں؛ اس لیے اُمت اس وقت تک حقیقی سعادت وفلاح سے ہمکنار نہیں ہوسکتی جب تک قوم وملت کے نوجوان دنیا کے گورکھ دھندوں سے مکمل ہاتھ نہ جھاڑ دیں۔ نفسانی خواہشات کے گرد طواف کرنے اور مقصد زندگی کو مادّہ و معدہ تک محدود کردینے والی قوم کبھی رفعت آشنا نہیں ہوسکتی!۔

جس قوم کے پاس ایک درخشندہ ماضی ہو اور جس کے اَکابر و رِجال' علم وحکمت کے وہ گل ہائے صدا بہار اُگا گئے ہوں جن سے آج یورپ و امریکہ کے مشام جاں معطر ہو رہے ہیں اور وہ خلاؤں میں کمندیں ڈال رہے ہیں اُن کے اپنے وارثین کو لایعنی کاموں میں مشغول یا فارغ بیٹھے دیکھ کر دل منہ کو آجاتا ہے اور آنکھیں بے اختیار چھلک اُٹھتی ہیں!۔

آج اُمت مسلمہ کے نوجوانوں کا کیا حال ہے کسی پر مخفی نہیں۔ نہ وہ دین کے رہے نہ دنیا کے رہے...... مادّیت کے غلبے نے فکروں کا دھارا بدل کر رکھ دیا...... اَخلاقی قدریں

(۱) مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ۲۵/۱...... صفۃ الصفوۃ: ۲۴/۴...... تفسیر روح البیان: ۲۶۸/۹۔

پامال ہو کر رہ گئیں...... پیشانیاں سجدوں کے نور سے محروم ہو گئیں......آنکھوں سے عصمت وحیا کا سارا پانی اُتر گیا......دل' دردِ محبت اور غم ملت سے نا آشنا ہو گئے......تعمیری سوچیں گہنا کر رہ گئیں، اور تنقید و تنقیص سکہ رائج الوقت کی حیثیت اختیار کر گئی۔ ہر کوئی نقاد بنا پھرتا ہے۔زبانیں بے باک تو تھیں ہی قلم بھی بے لگام ہو گئے۔

بڑوں کی بزرگی کا بھرم جاتا رہا، چھوٹے مشفقانہ رویے کو ترس کر رہ گئے۔ پورا معاشرہ اَنارکی کا شکار ہے، اور جذبۂ اِصلاح سرد پڑتے پڑتے جیسے بالکل معدوم سا ہو کر رہ گیا ہے...... ماں باپ کا اَدب گیا......بہن بھائی کی تمیز گئی......قدم قدم نغمے، گام گام گانے......لحظہ لحظہ غفلت، لمحہ لمحہ جہالت......عریانیت کے طوفان، فحاشی کی آندھیاں...... کس سے گلہ، کس سے شکوہ!......صبح خرمستیاں، شام آوارہ گردیاں......گلیوں میں تنکوں کی طرح اُڑنا......کوچوں میں خاک کی طرح ذلیل ہونا...... اِدھر جھانکنا، اُدھر تاڑنا، اِسے گالی، اُسے چھیڑنا...... پڑھنے سے گریز، کھیلنے سے شغف...... چلنا تو اکڑ اکڑ کر، بولنا تو بگڑ بگڑ کر، ہنسنا کو کِھل کِھل کر، کھانا تو مچل مچل کر، سونا تو بجھ بجھ کر، جاگنا تو رُک رُک کر، مستی ہی مستی، نشہ ہی نشہ-الامان والحفیظ-کسی دلِ دردمند رکھنے والے شاعر نے مکین گنبد خضرا کی بارگاہ میں ملت کی شکوہ سنجی کیا خوب کی ہے۔

جس کو دیکھا تھا مؤقر آج اس کو خوار دیکھ
اے پیمبر! دیکھ اب اُمت کا حالِ زار دیکھ

مانتا تھا جن کی آزادی کا لوہا اِک جہاں
اب انھیں پابند، قیدی، بے بس و ناچار دیکھ

جن جواں مردوں کے آگے کوہ بھی تھا کاہ سا
ان جواں مردوں کو اب خود نقش بر دیوار دیکھ

جن کی ہمت عرش کو بھی دیکھتی تھی سرنگوں
اب انھیں کاہل، تغافل کیش اور بیکار دیکھ

جو زمانے کے لیے عیسیٰ نفس مشہور تھے
اب انھیں مردہ، فسردہ، جاں بہ لب بیمار دیکھ

دیکھ اب تو ہوگئی ہے پستیوں کی انتہا
پھونک کر مردہ تنوں میں روحِ نو، اُن کو اُٹھا

سچ یہ ہے کہ آج کے مشینی دور نے انسان کو اِنسان سے دور کردیا ہے۔ رفاقتِ بشری سے محروم انسان، مال اور اَشیا کی محبت میں گرفتار ہے۔ ناآشنائی اور ناشناسی کی وبا ہر سو پھیل چکی ہے۔ رفاقتیں، رقابتوں میں بدل چکی ہیں؛ اس لیے شیرازۂ ملت بکھرتا جارہا ہے؛ کیوں کہ ملتیں تو پائیدار رفاقتوں سے بنتی ہیں۔ رفاقت میسر نہ ہو تو عناصر ملت میں ظہورِ ترتیب ممکن ہی نہیں۔

آپ ذرا سوچیں کہ اینٹ کا اینٹ سے ربط ختم ہوجائے تو کیا ہوگا؟، دیواریں خود اپنے بوجھ سے گرنا شروع ہوجائیں گی۔ اور یہی فلسفہ تھا پیغمبر اِسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس فرمانِ عظمت نشان کا جس کو نہ سمجھنے اور نہ برتنے کے باعث ہمیں بادلِ نخواستہ یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں :

إن المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ، – وشبک أصابعه– (۱)

یعنی مومن کی مثال عمارت کی سی ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض کو باندھے رہتا ہے۔
سرکار علیہ السلام نے یہ بیان کیا اور اپنی اُنگلیوں کو ایک دوسرے میں گھسا دیا۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۱۸۲ حدیث: ۴۶۷...... صحیح مسلم: ۴/۱۹۹۹ حدیث: ۶۵...... سنن ترمذی: ۴/۳۲۵ حدیث: ۱۹۲۸...... سنن نسائی: ۵/۷۹ حدیث: ۲۵۶۰...... صحیح ابن حبان: ۱/۴۶۷ حدیث: ۲۳۱۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ اسلام پردیسی اور اجنبی ہے، اس کے شہروں پر غیروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اس کی زمین پر اَغیار نے پنجے گاڑ لیے ہیں۔ اس کے فرزندوں کا لہو روزانہ گولہ وبارود کی خوراک بن رہا ہے۔ اس کے بیٹیوں کی عزت داؤ پر ہے۔ اس کے سپوت ابوغریب اور کیوبا کے پنجروں میں بند ہیں۔ بدخواہوں نے صرف اِسلام کی زمینوں ہی پر قبضہ کرنے پر اکتفانہ کیا بلکہ مسلمانوں کے ذہن پر بھی قابض ہو گئے۔

آج صرف اِسلام کے معاملاتی نظام کے تعطل کی وجہ سے کافرانہ نظام سر اُٹھا رہا ہے۔ رزقِ حلال میں حرام کی آمیزش کے باعث سوسائٹی سے برکتیں روٹھی جا رہی ہیں۔ اپنی خواہش کو رضائے مولا پر مقدم رکھنے کے سبب معاشرے میں بے چینیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ دربارِ رسالت سے ربط عقیدت ماند پڑنے کی وجہ سے گستاخیوں کا ایک سیلاب اُمنڈ آیا ہے۔ شریعت مطہرہ کو پس پشت ڈالنے کے باعث ہمارا معاشرہ آتش فشاں بن چکا ہے۔ بدعقیدگی، بدعملی، نام نہاد روشن خیالی، مغرب پرستی اور عریانی وفحاشی انسانی آبادیوں پر زہر چھڑک رہی ہے۔ استعماری قوتیں اور صیہونی طاقتیں۔ معاذ اللہ۔ اُمت مسلمہ کی خانہ تلاشی میں مصروف ہیں۔

آج ایک طرف فلسطینی مائیں اپنی گودیں اُجڑنے پر نشانِ عبرت بنی ہوئی ہیں تو دوسری طرف خون میں لت پت بیٹوں کے سرہانے بیٹھی عراقی مائیں چیختی چلاتی نظر آتی ہیں۔ آج کہیں افغانستان کے کھنڈرات سے دھواں نکل رہا ہے تو کہیں کشمیر کی وادیاں کربلائے ثانی کا منظر پیش کر رہی ہیں۔ الامان والحفیظ۔

الغرض! ایک عجیب سماں ہے، نفسانفسی کا عالم!، جیسے کوئی قیامت بپا ہے، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں، ہر کسی کو صرف اپنی فکر کھائے جا رہی ہے...... دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے بے خبر ہے...... بھائی بھائی سے بیگانہ ہے...... رشتوں کی تقدیس پامال ہو چکی ہے...... افسر ماتحت کا خیال نہیں رکھتا...... ماتحت اَفسر کا لحاظ نہیں رکھتا...... اُستاذ شاگرد سے نالاں

......تو شاگرد اُستاد سے بیزار؛ یہی ہیں مجموعی طور پر ہمارے حالاتِ زار۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اپنی ذات سے اوپر اُٹھ کر پوری قوم کی فلاح و بہبود کے لیے سوچنے کا مزاج مفلوج ہو کر رہ گیا ہے، اور جو دو چند ہمدردانِ قوم و ملت تھے، وہ بھی اٹھتے جا رہے ہیں۔

ایک تو ان برائیوں پر کوئی بند باندھنے والا نہیں اور اگر کوئی خیر سے ان کے خلاف آواز لگانے والا مل جائے تو پھر اسے سننے والا کوئی نہیں۔ حالات کی یہ سنگینی و ستم ظریفی کسی شاعر سے کہلوا رہی ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اے چشمہ رحمت بابی اَنت و اُمی ☆ دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے
فریاد ہے اے کشتی اُمت کے نگہباں ☆ بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

حالات کے اِن اُتار چڑھاؤ کو دیکھ کر عظیم دانشور نثار احمد خان فتحی کے دل سے ایک ہوک سی اُٹھ رہی ہے ہیں، وہ حالات کی نبض پر ہاتھ رکھنے کی کوشش میں آپ کو حقائق سے آگاہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ ذرا گوشِ ہوش سے سنیے وہ کیا کہتے ہیں :

> مغرب کی درسگاہوں، تحقیقاتی اِداروں اور علمی مرکزوں سے مسلسل ایک آواز ہم سے مخاطب ہے؛ مگر افسوس کوئی اس پر توجہ نہیں دیتا، کسی کا خون جوش نہیں مارتا اور کسی کی غیرت نہیں جاگتی۔ یہ آواز کہتی ہے: 'اے مسلمانو! اے ہمارے غلاموں سنو! تمہارے اِقبال کے دن گزر گئے، تمہارے علم کے کنویں سوکھ گئے اور تمہارے اِقتدار کا سورج ڈوب گیا۔ اب تمہیں حکمرانی اور سلطانی سے کیا واسطہ! تمہارے بازو اَب شل ہو گئے اور تمہاری تلواروں میں زنگ لگ

چکا ہے، اب ہم تمہارے آقا ہیں اور تم سب ہمارے غلام ہو۔

دیکھو! ہم نے سر سے پیر تک تمہیں کس طرح اپنی غلامی کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ہمارا لباس پہن کر اور ہماری زبان بول کر اور ہمارے طور طریقے اِختیار کر کے تمہارے سر فخر سے بلند ہو جاتے ہیں۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جب ہمارا قومی نشان اور مذہبی شعار ٹائی لگا کر اسکول جاتے ہیں تو اس لباس کو دیکھ کر تمہارا دل کیسا خوش ہوتا ہے!۔

...گویا اب تم ہماری آنکھوں سے دیکھتے ہو، ہمارے کانوں سے سنتے ہو اور ہمارے دماغ سے سوچتے ہو۔ اب تمہارے وجود میں تمہارا اپنا کچھ نہیں۔ اب تم ہر شعبۂ زندگی میں ہمارے محتاج ہو، تمہارے گھروں میں ہمارے طور طریقے ہیں، تمہارے دماغوں میں ہمارے اَفکار ہیں، تمہارے اسکولوں اور کالجوں میں ہمارا مرتب کردہ نصاب ہے، اور تمہارے بازاروں میں ہمارا سامان ہے۔ تم ہمارے حکم سے کیسے سرتابی کر سکتے ہو۔ تمہاری معیشت ہمارے قبضے میں ہے، تمہاری منڈیاں ہمارے رحم و کرم پر ہیں اور تمہارے سارے تجارتی اِدارے صبح اٹھتے ہی ہمارے سکے کو سلام کرتے ہیں۔

تمہیں اپنے جوانوں پر بڑا ناز تھا، تم کہتے تھے 'ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی' تو سنو! اس زرخیز زمین کو ہم نے ہیروئن بھرے سگریٹ، شہوت انگیز تصویریں، ہیجان خیز زنا کے مناظر سے لبریز فلمیں اور ہوس زر کا آب شور ڈال کر بنجر کر دیا ہے۔ بوسنیا (افغانستان) اور عراق کے حشر کو یاد رکھنا۔

جاؤ! اب عافیت اسی میں ہے کہ جو طرزِ حیات اور طرزِ حکومت ہم نے تمہیں سکھایا ہے اس سے سرمو اِنحراف نہ کرنا، خبردار! ہماری غلامی سے نکلنے کی کوشش نہ کرنا اور ہمیں امید بھی یہی ہے کہ تم برسوں تک ایسا نہ کر سکو گے؛

کیونکہ جتنے اس کوشش کے محرکات ہو سکتے تھے یعنی ایمان کی پختگی، جوشِ جہاد، بالغ نظری، غیرتِ دین وہ سب ہم نے تمہارے دانشوروں، مفکروں، اور عالموں سے دنیا کی چند آسائشی چیزیں دے کر خرید لی ہیں۔

ہم نے تمہاری عورتوں کو ٹی وی کے ذریعے بے حیائی کی ترغیب دے کر اور سنگھار و آرائش حسن کا بہترین سامان فراہم کر کے اُن کی چادر اُتر وادی ہے اور تمہارے مردوں کو فحش اور عریاں فلمیں دکھا کر اُن کی مردانگی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اب تمہارے یہاں کوئی خالد، کوئی طارق، کوئی صلاح الدین اور کوئی ٹیپو پیدا نہیں ہوسکتا۔

اور سنو! ہم اِحسان فراموش نہیں ہیں، تمہاری قوم کے کچھ احسان بھی ہم پر ہیں خاص طور پر تمہارے علماء کے، انہوں نے اپنی مسجدوں اور مدرسوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی تکفیر کر کے (شرک و بدعت کے فتوے لگا کر) اور آپس میں لڑ لڑ کر ہماری تہذیب و اَفکار کے لیے راستہ صاف کیا، تمہارے دانشوروں اور مفکروں نے ترقی یافتہ اور ماڈرن کہلانے کے شوق میں ملحد اور زندیق بن کر ہمارے فلسفے کی اِشاعت کی۔

تمہاری تعلیم گاہوں نے ہمارا نصاب تمہارے جوانوں کے دل و دماغ میں ہم سے بہتر طریقے سے اُتار کر اپنے مذہب سے بغاوت پر اکسایا، تمہارے صاحبانِ اقتدار اپنے اپنے سارے وسائل تمہیں بے حیا، بے غیرت اور بے دین، بنیاد پرست اور دہشت گرد بنانے کے لیے ہمارے ہی اِشاروں پر استعمال کرتے آئے ہیں، ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔

تمہارے مذہب نے کیسی کیسی پابندیاں تم پر لگا رکھی تھیں، یہ حرام وہ حرام، یہ جائز وہ ناجائز، زندگی کی راہیں تم پر تنگ کر دی تھیں، ہم نے تمہیں زندگی کا

ایک نیا راستہ دکھایا اور تمہیں حرام، حلال کی قید سے آزاد کر دیا، کیا تم اس پر ہمارا شکریہ اَدا نہ کرو گے، اے مسلمانو! اے ہمارے غلاموں کیا تم سنتے ہو؟'۔

یہ آواز دن رات مسلسل میرے کانوں میں آتی ہے اور اس کا ایک ایک لفظ تیر کی طرح میرے دل میں پیوست ہو جاتا ہے۔ میں حیرانگی سے چاروں طرف دیکھتا ہوں کہ شاید کچھ اور لوگ بھی سن رہے ہوں؛ مگر سب اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہیں اور کوئی توجہ نہیں دیتا۔ میں نے سوچا اس کتاب کے ذریعے ہی سب کو یہ سنا دوں شاید کسی کی غیرتِ ایمانی جاگ اُٹھے اور اللہ پاک اس سے کوئی غیر معمولی کام لے لے۔(۱)

عزیزانِ ملت! اَب اُٹھ جائیں، بہت دیر ہوگئی سوئے ہوئے، غفلت کی ردا تار تار کر دیں، سستی و لاپرواہی کے حصار سے باہر نکل آئیں، اللہ و رسول سے کیے ہوئے عہد کے اِیفا کی پروا کریں، اور قوم نے آپ سے جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اُن پر پورا اُترنے میں اپنا ستھرا کردار نبا ہیں۔

یاد رکھیں کہ نہ صرف آج بلکہ ہر دور میں اِسلام کو ایسے نوجوانوں کی تلاش رہی ہے جن کے سینوں کے محراب میں قرآن وسنت کی چاندنی اُتری ہوئی ہو...... جن کے دل نورِ ایمان سے مطمئن ہوں...... جن کے اَعمال ہر داغ سے پاک ہوں...... جن کے باطن' فراستِ مومنانہ سے آباد ہوں...... جن کی آنکھوں میں غیرت وحیا کے کنول کھلے ہوئے ہوں...... جن کی زبانیں صداقت کے پھولوں کی ٹہنی ہوں...... جن کے کانوں کے دَر ہر ناجائز آواز کے لیے بند ہوں...... جن کے ہاتھ ظلم کا سوچتے بھی نہ ہوں...... جن کے قدم نارواوادیوں کی طرف اُٹھتے بھی نہ ہوں...... جن کے دماغوں میں سچے خیالات کے بسیرے ہوں...... جن کی رگوں میں دوڑنے والے خون تمنائے شہادت سے لبریز ہوں...... جن کا سرمہ خاکِ حرم ہو...... جن کا محور کوئے مدینہ ہو...... جو جگرِ لالہ کی ٹھنڈک بھی ہوں اور پہاڑوں کو پانی

(۱) پاکستان میں مغربی ثقافت وملحدانہ افکار کا نفوذ اور اس کے اسباب، بحذف واِضافہ: ص۱۴، تا ۱۷۔

کرنے والا دبدبہ بھی...... جو سامراج پر حاکم بھی ہوں، اور سماج کے خادم بھی......ان سب پر مستزاد یہ کہ وہ اَخلاق کے ہمالہ اور کردار کے دھنی ہوں۔

کتنا اچھا ہوتا اگر اِسلام کے مطلوبہ وہ نوجوان تم ہی ہوتے! خدا کرے تمہیں ان اوصافِ حسنہ سے حصہ وافر نصیب ہو؛ تاکہ تم صحیح معنوں میں کشتی ملت کی ناخدائی کا فریضہ اَنجام دینے کے قابل ہوسکو۔ **وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیز .**

نوجوانانِ ملت اِسلامیہ! ذرا ایک نظر عصری اِیجادات اور اُن کے دوررس اَثرات پر بھی ڈالتے چلیں کہ ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں وہ بجاطور پر میڈیا (Media) کا دور کہا جاسکتا ہے اور میڈیا کی اس قوت نے پوری دنیا کو ایک شہر بلکہ ایک گاؤں میں تبدیل کردیا ہے۔ موبائل فون کی مدد سے ہر شخص ایک دوسرے سے رابطے میں ہے، اخبارات وجرائد اور انٹرنیٹ کی بدولت تازہ سے تازہ خبر ہر میز پر دستیاب ہے۔ دنیا بھر میں کروڑوں ویب سائٹس اور سینکڑوں ٹی وی چینلز ہر دم اِطلاعات نشر کررہے ہیں۔

میڈیا دراصل ایک قوم کی تشکیل کرتا ہے، اس کے کارپردازان اگر خیر وفلاح کا جذبہ رکھتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہیں تو وہ قوم کی تعمیر وترقی کا ایک مبارک فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اور اگر اس سے فروغِ شر کا کام لیا جائے تو وہ تخریب کے مقاصد پورے کرتا نظر آتا ہے۔ سچ پوچھیے تو جب سے میڈیا کو نئے وسائل مثلاً پرنٹنگ پریس، ریڈیو، ٹی وی، اور انٹرنیٹ وغیرہ میسر آئے ہیں تب سے ان وسائل کے ذریعے لادین مغرب نے اپنے خیالات کو دنیا بھر میں آن کی آن میں پھیلایا ہے اور میڈیا کے انہی ذرائع کے ذریعہ غیب داں رسول اعظم-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ 'ہر گھر میں برائی پھیل جائے گی اور موسیقی کا عام چلن ہوگا'۔

عصر حاضر میں جدید ٹکنالوجی کا سہارا مل جانے کے بعد ثقافتی یلغار اور بھی خطرناک ہو چکی ہے۔ نوجوانوں کے ذہن ودل اور فکر ونظر تک رسائی کے سینکڑوں اِطلاعاتی راستے اور

وسائل موجود ہیں۔ ٹی وی، ریڈیو اور کمپیوٹر سے متعلق انواع واقسام کی روشوں کا استعمال کیا جانے لگا ہے، اور نوجوانوں میں گوناگوں شکوک وشبہات پیدا کیے جارہے ہیں۔

مثال کے طور پر جب یورپیوں نے اُندلس کو مسلمانوں سے واپس لینے کا اِرادہ کیا تو اس کے لیے دراز مدت پالیسی تیار کی گئی۔ ان دنوں صیہونی تو نہیں ہوا کرتے تھے؛ لیکن دشمنانِ اسلام اور اُن کے سیاسی مراکز' اِسلام کے خلاف تب بھی سرگرم عمل تھے۔ پھر انہوں نے یہ کیا کہ مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کرنا شروع کردیا۔

یہ کام دینی اور سیاسی عوامل کے تحت انجام دیے جارہے تھے۔ ساتھ ہی ایک کام یہ بھی کیا گیا کہ انہوں نے کچھ مخصوص مقامات معین کردیے جہاں نوجوانوں کو مفت شراب پلائی جاتی تھی، اور حسین وجمیل دوشیزائیں اُن کا شکار کرنے کے لیے تاک میں کھڑی ہوتی تھیں؛ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم شہوت پرستی میں مبتلا ہوگئی، اور ملک بآسانی واپس اُن کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ ذرا سوچیں کہ فاتح اِسلام طارق بن زیاد کی روح اپنے اَخلاف کی ان حرکتوں پر کتنی تڑپی ہوگی!۔ زمانہ گزر جانے کے بعد بھی کسی قوم کو آباد یا برباد کرنے کے اصلی طریقے بدلتے نہیں ہیں، آج بھی بیشتر عصری اِیجادات کے ذریعہ وہ یہی سب کام لے رہے ہیں۔

میخانۂ یورپ کے انداز نرالے ہیں
دیتے ہیں شراب اوّل لاتے ہیں رُباب آخر

یہ سچ ہے کہ سائنس وٹکنالوجی کی دم بخود ترقی نے جہاں نئے نئے ایجادات و انکشافات سے دنیا کے سامنے سہولیات اور معلومات کا اَنبار لگادیا، وہیں اس نے شہوت پرستی کے لیے نئی راہیں بھی کھول دی ہیں۔ مواصلاتی دوریوں نے سمٹ کر جہاں انسانیت کو آسانیاں فراہم کی ہیں وہیں نفسانی خواہشات کے متوالوں کے لیے تسکین نفس کا جملہ ساماں بھی کیا ہے۔ مجموعی طور پر ان جدید وسائل اعلام پر ایک طرف فحاشی و بے حیائی کا

غلبہ ہے تو دوسری طرف یہ ملحدانہ افکار کے مراکز ہیں گو کہ ان سے بعض دینی مقاصد کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے؛ لیکن اگر مجموعی شرح دیکھی جائے تو انٹرنیٹ نے فحاشی کے دریا بہادیے ہیں اور معاشرے میں عیاشی کے بہیمانہ ڈھنگ متعارف کرائے ہیں۔

عزیزانِ گرامی! ایسے سنگین حالات میں صرف لفاظیوں اور دعاؤں پر تکیہ کرنے سے مقصد برآری نہیں ہوسکتی، ضروری ہے کہ اَربابِ ذرائع اِبلاغ اپنی اسلامی ذمہ داریوں کو سمجھیں، اس کے اِنسداد کے لیے مؤمنانہ بصیرت کے ساتھ سائنسی مؤثر حربے بھی بروے کار لائیں، اور میڈیا کو فحاشی وعریانیت کی بجائے خیر وبھلائی کا پیغام بر بنانے کی ہر ممکن جدوجہد میں لگ جائیں۔

اگر میڈیا کو اپنی ذمہ داریوں کا اِحساس نہیں ہے تو کم از کم ان کا شکار ہونے والے مسلمان بھائیوں کو تو اُن کے طریقہ ہاے واردات سے آگاہی ہونی چاہیے۔ دنیاوی وسائل سے مالامال مسلمانوں کو اس ذمہ داری کا احساس اور زیادہ ہونا چاہیے کہ وہ صالح ذرائع ابلاغ کے قیام کی طرف بھرپور توجہ دیں، اور جو لوگ اس سلسلے میں متحرک وفعال ہیں ان کی پشت پناہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمائیں۔

یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ دین محض نماز، روزہ اور دیگر عبادات ہی کا نام نہیں بلکہ زندگی کے ہر عمل اور ہر حرکت کے لیے دین اسلام میں رہنمائی موجود ہے اور بحیثیت مسلمان ہمیں اُن کا اتباع بھی لازم ہے؛ لہٰذا اس تعلق سے اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اسلامی حدود میں رہ کر انٹرنیٹ کا استعمال ہو، اور اس کے برے اَثرات سے بچنے کے لیے اِحتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں؛ کیوں کہ خیر وشر کا پہلو ہر چیز میں موجود ہے۔ -اللہ ہمارا حامی وناصر ہو-

اس کتابچے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ نوجوان اپنے عہد شباب کی قدر کریں، اپنی کھوئی ہوئی منزل پالیں، مولا سے اپنا ٹوٹا ہوا تعلق پھر سے اُستوار کرلیں، اور دنیا کی رنگ رلیوں سے منہ موڑ کر اس کارواں کے ساتھ ہولیں جو سوے حرم رواں دواں ہے۔

اللہ کو جوانوں کی توبہ بڑی پسند ہے، اور اس کی نگاہوں میں نوجوانوں کے آنسو بڑی قیمت رکھتے ہیں۔

حضرت ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی تاریکیوں میں اُٹھ کر اپنے صحابہ کو ڈھونڈتے اور ان کی خبر لیتے کہ وہ اپنی راتیں کس طرح عبادتوں میں گزارتے ہیں، ان کی دعاؤں کا انداز کیا ہے، وہ اپنے مالک ومولا کے حضور کس طرح روتے اور گڑگڑاتے ہیں؛ چنانچہ اس دوران ایک شب آپ کے کانوں میں کسی دروازے کے پیچھے سے ایک بوڑھی خاتون کی قراءت کی آواز آئی۔ وہ رو رہی تھی اور رندھی ہوئی آواز میں بار بار یہ آیت پڑھ رہی تھی :

هَلْ اَتٰكَ حَدِيثُ الغَاشِيَةِ o

کیا تجھے (ہر چیز پر) چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی !۔

وہ بڑھیا زاروقطار روتی جاتی تھی اور یہ آیت کریمہ دُہراتی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر مبارک دروازہ سے لگا دیا اور خود روتے ہوئے فرمایا :

نعم أتاني ، نعم أتاني .

ہاں (اے بوڑھی ماں!) مجھے وہ خبر پہنچ گئی ہے، ہاں پہنچ گئی ہے۔(۱)

عزیزانِ گرامی! اس ضعیف خاتون کا حال تو یہ ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں اُٹھ کر - جب کہ پوری دنیا نیند کی آغوش میں پڑی ہوتی ہے- اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دعا ومناجات کررہی ہے، عبادت وریاضت میں جٹی ہوئی ہے اور طاعت وبندگی کے تحفے گزار رہی ہے۔ اور نوجوانانِ اُمت کا عالم یہ ہے کہ نوافل تو کجا فرائض میں بھی سستی کرتے ہیں اور اپنے مولا کو بھولے پڑے ہیں!۔

نوجوانو! ذرا سوچو کہ اس بڑھیا کے مقابلے میں ہماری ہڈیاں ابھی کتنی مضبوط ہیں،

---

(۱) لاتحزن:۲/۲۰۳......قافلۃ الداعیات:۷/۱۱۶۔

صحت کتنی اچھی ہے، اور جسم کتنا توانا ہے، اُس اللہ کی ہم پر کتنی نعمتیں لدی ہیں، اور وہ ہماری ہزار کوتاہیوں کے باوصف ہم پر تاہنوز اپنے سلسلہ کرم کو کس طرح برقرار رکھے ہوئے ہے۔ پھر کیا ایسی صورت میں ہم لوگ اُس بڑھیا سے زیادہ طاعت وتابع داری، عبادت و بندگی اور اللہ تعالیٰ کا شکر وسپاس اَدا کرنے کے مستحق نہیں ہیں؟!۔

کیا اِس واقعہ میں سمجھ داروں کے لیے عبرت ونصیحت نہیں ہے؟۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ہوش کے ناخن لیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری بانجھ پیشانیاں اللہ کے حضور جھک جائیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہمارے قلب وباطن' خشیتِ مولا سے لرز اُٹھیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہمارے دل ذکرِ الٰہی کے لیے آمادہ وتیار ہوجائیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ محض زبان کی شہادت کے ساتھ ساتھ ہمارے دل ونگاہ بھی صحیح معنوں میں مسلمان ہوجائیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اِضطراب نہیں

اُمید ہے کہ نوجوانوں کا رشتہ اپنے درخشندہ ماضی سے مربوط کرنے اور فکر ونظر کے بدلاؤ میں یہ کتابچہ کسی حد تک معاون ثابت ہوگا۔ کہتے ہیں کہ رات کی تاریکی میں دور سے نظر آنے والا چراغ' روشنی تو نہیں دے سکتا؛ تاہم ایسی کیفیات ضرور مرتب کردیتا ہے کہ مسافر مایوسی سے نکل کر اُمید تک پہنچ جاتا ہے، اور اُمید سے یقین کی منزل ہوتی ہی ہے کتنی ؟ صرف دو قدم!۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ تاجدارِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک کے طفیل ہمارے اَحوال کی اِصلاح فرمائے، اور ہمارے نوجوانوں کو بالخصوص دینی و دنیاوی ذمہ داریاں نبھانے کا اہل بنائے۔ آمین یارب العالمین۔